کرلی ہی اُن کو تمام مروجہ اصناف پر پوری قدرت ہے چنانچہ اس مجموعے مین ہر رنگ کے نمونے موجود ہین، ان کی شاعری کا نشو و نما ہندوستان کی سیاسی کشمکش کے دور مین ہوا ہے، اس لئے اس کے اثرات اُن کے کلام مین جابجا موجود ہین خصوصًا نظمون مین یہ رنگ زیادہ نمایان ہی، اور غزلون مین بھی جابجا اس کی جھلک اور سیاسیات کی جانب لطیف اشارات ہین، غزل کا رنگ ستھرا اور پاکیزہ ہے، نظمین مختلف حالات، و واقعات اور جذبات و احساسات پر مشتمل ہین، سیاسی نظمین زیادہ مؤثر ہین، خصوصًا فرقہ پرستی اور اُس کے اثرات و نتائج سے متعلق بعض نظمین بہت خوب ہین، اس لحاظ سے یہ مجموعہ اصحابِ ذوق کے مطالعہ کے لائق ہی،

رہبر از جناب مولوی حبیب حسن صاحب صدیقی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ مصنف ردولی ضلع بارہ بنکی سے ملے گی،

یہ رسالہ بچون کی مذہبی و اخلاقی تربیت و تعلیم کے لئے لکھا گیا ہے، اور اس مین اخلاقی تعلیم اور زندگی کے مختلف شعبون کی اصلاح کے لئے ۶۵، ایسے اخلاقی اور سبق آموز اصول و تعلیمات ۵۶، آیاتِ قرآنی اور ۵۰ حضرت علی کے حکیمانہ اقوال جمع و مرتب کئے گئے ہین، جو دین و دنیا دونون مین سعادت و کامرانی کا ذریعہ بن سکتے ہین، انداز تحریر موثر ہی، یہ رسالہ نہ صرف بچون بلکہ عام خواندہ لوگون کے لئے بھی مفید ہی،

رسول مقبول از جناب مظفر جلیسری، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ، پتہ :- سنگم کتاب گھر اردو بازار جامع مسجد دہلی، (۲) دی یونین بک ڈپو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ،

یہ مصنف کی نعتون کا مجموعہ ہی، چند نظمین صحابۂ کرام اور اولیاے عظام کی شان مین بھی ہین، مصنف اچھے نعت گو ہین، انکی نعت اور منقبت دونون موثر و دلکش اور مصنف کے کوائف باطنی کی آئینہ دار ہین،

"م"

جلد ۷۲ ماہ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۵۳ء عدد ۵

مضامین

مقالات

آثار علمیہ و ادبیہ

ادبیات

شذرات

کانگریس اپنی بے عنوانیون، اپنے اصولون کی پامالی اپنے نصب العین سے انحراف، حکومت اور عہدون کی ہوس اور گندم نما جو فروش کانگریسیون کی بدولت جس نوبت کو پہنچ گئی ہے، اور اس کے جو نتائج نکل رہے ہین، اُس کا احساس مخلص کانگریسیون کو پوری طرح ہو گیا ہے، اور وہ علانیہ ان خرابیون کا اعتراف کرنے لگے ہین، اور ان کو دور کرکے کانگریس کو اصلی شکل مین لانا چاہتے ہین، مگر خود غرض کانگریسیون کی زندگی کا دار ان خرابیون پر ہے، اس لئے وہ اس راہ مین سب سے بڑے مزاحم ہین، اور وقتی اغراض کے موقع پر محض اوچھی تدبیرون سے کام نکالنا چاہتے ہین چنانچہ اسمبلی کے گذشتہ ضمنی انتخابات اور حال مین میونسپلٹی کے عام الیکشن کے موقع پر انھون نے مختلف جائز و ناجائز تدبیرون سے الیکشن جیتنے کی کوشش کی، مگر اب پبلک اتنی بیدار ہو چکی ہے کہ اس مین زیادہ کامیابی نہین ہوئی، اور کانگریس کو مجموعی حیثیت سے پورے صوبہ مین شکست اٹھانا پڑی، اس واقعہ سے خود غرض کانگریسیون کی بھی آنکھین کھل جانی چاہئین، اور الیکشن کے موقع پر اوچھے ہتھیارون سے کامیابی حاصل کرنے کے بجائے کانگریس کی اصل خرابیون کو دور کرکے اس کو مضبوط بنانے کی کوشش کرنا چاہئے، ورنہ اس کی موت یقینی ہے،

کانگریس کو اس نوبت تک پہنچانے کی ذمہ داری اُن فرقہ پرست اور خود غرض کانگریسیون پر ہے، جو کانگریس کے روپ مین حکومت اور کانگریس کمیٹیون مین گھسے ہوئے ہین، انھین کانگریس کے اصول و نصب العین سے کچھ بحث نہین، اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے، جب تک کانگریس اس فاسد عنصر سے پاک نہ ہوگی، اور اپنے اصولون کو عملاً زندہ کرے گی، اس وقت عارضی تدبیرون سے اس کے مردہ جسم مین زندگی پیدا نہین ہو سکتی، اس موقع پر اس کی تفصیل مقصود نہین ہے،

صرف مسلمانون کے متعلق بعض موٹی موٹی باتین پیش کی جاتی ہین، کانگریس کا ایک بڑا مقصد فرقہ پرستی کا استیصال اور ہندو مسلم اتحاد ہے، جس کے لئے گاندھی جی نے جان دی، انڈین یونین سیکولر حکومت ہے اور ہندوستان کے دستور مین بلا امتیاز مذہب و ملت ہندوستان کے تمام باشندون کو یکسان حقوق حاصل ہین، اس کے باوجود کانگریس یا کانگریسی حکومتون نے ہندو مسلم اتحاد اور فرقہ پرستی کے ازالہ کے لئے کیا عملی کوشش کی، اور اس صوبہ مین زندگی کے کسی شعبہ مین بھی مسلمانون کے ساتھ مساویانہ سلوک ہے؟ اور دستور ہند کے رو سے ان کو جو حقوق حاصل ہین اس کا عشر عشیر بھی اُن کو ملتا ہے؟ حکومت تو ان حقوق کو کیا دیتی، اگر مسلمان خود اُن کو حاصل کرنے کی کوشش یا اُن کی پامالی پر احتجاج کرتے ہین تو الٹے فرقہ پرست قرار پاتے ہین، اور اُن کو طعن و طنز کے تیر و نشتر کا نشانہ بنایا جاتا ہے،

دوسرا مسئلہ اردو کا ہے، اردو زبان ہندو مسلم اتحاد کی سب سے بڑی نشانی اور دونون کی مشترک تہذیب کا سب سے بڑا مظہر ہے، ہندوستان کے دستور مین بھی اس کو مسلمہ ہندوستانی زبانون مین سے ایک زبان مانا گیا ہے، اس کے باوجود اس کو اس صوبہ سے جس طرح نکالا گیا ہے اس سے ہر شخص واقف ہے، اور اس جرم مین ہماری صوبہ کی حکومت اور کانگریس کمیٹی دونون برابر کی شریک ہین، اگرچہ اردو ہندو مسلمانون کی مشترک زبان ہے، چنانچہ اردو علاقائی زبان کی تحریک مین بھی دونون کی کوششین شریک ہین، اور اس سلسلہ مین جو وفد صدر جمہوریہ سے ملنے والا ہے، اس کے کئی ارکان ہندو ہین، مگر مسلمانون کو اس زبان کے ساتھ اس بنا پر ایک خاص خصوصیت ہے کہ اُن کے مذہب، تاریخ اور تہذیب و روایات کا بڑا ذخیرہ اردو مین ہے، اور انھون نے اس ہندوستانی زبان کی خاطر اپنی پرانی ادبی و دفتری زبان فارسی اور علمی و مذہبی زبان عربی تک کو روزانہ کی زندگی مین چھوڑ دیا اور عربی دانون کی ایک مختصر جماعت کے علاوہ جن کی تعداد بہت تھوڑی ہے، اردو ہی عام مسلمانون کی علمی، ادبی اور تعلیمی زبان بھی بن گئی، اور اب یہی اُن کی مذہبی تعلیم کا بھی ذریعہ ہے، اس کے مٹانے کے معنی مسلمانون کے مذہبی علمی اور تہذیبی سرمایہ کو مٹانا ہے، ان حالات مین مسلمانون مین من حیث القوم کانگریس مین شرکت کا ولولہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے، انھی حالات کو دیکھ کر مولانا حسین احمد صاحب مدنی جیسے پرانے کانگریسی کو عرصہ ہوا اپنے مریدین اور متوسلین کو اجازت دینی پڑی کہ وہ جس پارٹی مین چاہین شرکت کرین،

مسلمانون کو کانگریس مین شرکت کی دعوت دینے کا صحیح طریقہ یہ ہو کہ اس کو فاسد عنصر سے پاک کیا جائے، اس کے اصولون اور نصب العین کو زندہ کیا جائے، اس کو عوام سے قریب لایا جائے، مسلمانون کو ان کے جائز حقوق دیے، اُن کی شکایتون کا ازالہ کیا جائے، اُن کے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے کہ وہ اپنے وطن مین اپنے کو اجنبی نہ محسوس کرین، بلکہ ہندوستانی قومیت کا ایک جز اور حکومت مین شریک و سہیم سمجھین، اس مین شبہ نہین کہ پنڈت جواہرلال کی بدولت اپنی تمام خرابیون کے باوجود کانگریس سب پارٹیون مین غنیمت ہو اور آیندہ بھی اس کی اصلاح کی امید ہو سکتی ہے، اور مسلمانون کی بھلائی بھی اسی مین ہو کہ وہ پنڈت جواہرلال کو قوت پہنچائین اس لئے اگر ان کے ساتھ ذرا بھی وسعتِ قلب سے کام لیا جائے، تو وہ دعوت دیئے بغیر دوڑ کر کانگریس کی طرف جائین گے، مگر باعزت برتاؤ کے بغیر محض الیکشن کے موقع پر اُن کے ووٹون سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے دعوت و پکار کی کوئی قیمت نہین، اور اس قیمت پر من حیث القوم مسلمانون کا کانگریس میں شریک ہونا مشکل ہو اور مسلمان تو مسلمان ایماندار اور منصف مزاج کانگریسی بھی شاید اس کو پسند نہ کرین، باقی وقت پر کام چلانے کیلئے تو کچھ نہ کچھ مسلمان مل ہی جایا کرین گے،

درحقیقت انڈین یونین کی جمہوریت اور سیکولرزم کا بھرم پنڈت جواہرلال کے دم سے قائم ہو اور انھون نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی صدارت بھی ایک حد تک کر لی ہو، حکمران کے کام مین سب سے بڑی رکاوٹ صوبائی حکومتین اور صوبائی کانگریس کمیٹیان ہین، خصوصاً ہمارے صوبہ کی حکومت اس مین سب سے آگے ہو، ابھی چند مہینے ہوئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے دلی کے اجلاس مین اردو کے حق مین ایک تجویز پاس کی مگر اس صوبہ کی کانگریس کمیٹی نے اس کی پوری مخالفت کی، اس کے محترم صدر نے اردو کی مخالفت مین بہت سخت بیان دیا، اس لئے پنڈت جی کی کوشش کامیاب نہین ہونے پاتین، مگر اب وقت آگیا ہو کہ صوبائی کانگریس کمیٹیان اور صوبائی حکومتین پنڈت جی کی رہنمائی مین اپنی اصلاح کی کوشش کرین، ورنہ اُن کے تخت شہریاری کی خیر نہین ہے، اور آیندہ الیکشن مین اون کو اس کا نتیجہ معلوم ہوگا، اگر کانگریس اپنی اصلاح کا کوئی قدم اٹھاتی ہے، تو مسلمانون کو اس مین پورا حصہ لینا چاہئے، اور اس کار خیر مین مخلص اور سچے کانگریسیون کو پوری قوت سے مدد پہنچانا چاہیے،

مقالات

ملک الکلام عمید الدین سنامی

ہندوستان کا ایک جلیل القدر فارسی شاعر

از

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب

ملا عبدالقادر بدایونی نے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد مین امیر فخر الدین عمید کا تعارف ایک شاعر کی حیثیت سے کرایا ہو، اور سلطان کی شان مین اس کا ایک قصیدہ نقل کر کے اس کو بھی اس کے مدح خوانون مین شمار کیا ہو، اس قصیدہ مین شاعر نے اپنی جدت طبع کی بنا پر ایک انوکھی ردیف "ناخن" کا انتخاب کیا ہے، ظاہر ہو کہ اس مشکل ردیف مین مضامین کا تنوع پیدا کرنا آسان نہ تھا، پھر بھی شاعر نے اچھوتی تشبیہات و تمثیلات سے قصیدہ کو پر لطف اور دلپسند بنانے کی کوشش کی ہے، تشبیب کے پہلے ہی شعر مین تجنیس لفظی سے ایک ایسا تخیل پیش کیا ہے، جس سے پڑھنے والے کو حظ حاصل ہوتا ہو، "ناخن" کے لحاظ سے "چنگ" اور چنگ کی رعایت سے "زخمہ" لایا گیا ہے، اور اسی مناسبت سے مطربۂ فلک "ناہید" بھی لا کر کھڑی کی گئی ہے، اور ناخن جیسے غیر شاعرانہ لفظ کی ردیف مین یہ شاعرانہ تخیل پیش کیا گیا ہو کہ جب میرا معشوق چنگ اٹھاتا ہو، اور اپنے ناخن پر زخمہ باندھتا ہو تو اُس کے ناخن سے ناہید یعنی زہرہ کے جگر پر غیرت سے سو زخم پڑ جاتے ہین، یعنی جب میرا معشوق ناخن سے چنگ بجاتا ہے، تو ناہید غیرت سے بے جان ہو جاتی ہو، اس شعر مین "زخمہ" اور "زخم" کی تجنیس بھی لائق توجہ ہو،

چو بردارد نگارم چنگ بندد زخمہ بر ناخن   زند ناہید را صد زخم غیرت بر جگر ناخن

ناہید کا رشک سے جو بُرا حال ہو جاتا ہے، اس کو دوسرے انداز میں بیان کیا گیا ہے،

ز رشک چنگ او ناہید را تپ گیرد آن ساعت
کبودش گردد از تاثیر آن تپ سر بسر ناخن

تیسرے شعر میں "خشک و تر" لا کر صنعت طباق کے ساتھ ایک عجیب و غریب تخیل پیش کیا ہے: ناخن کے ساتھ حنا کا تخیل آنا ضروری تھا۔ اب شاعر کہتا ہے کہ معشوق کے ناخن کی حنا کو خون سمجھو، اور یہ خون کہاں سے آیا؟ جب اُس نے خشک نے کی طرح چنگ بجانا شروع کیا، تو گویا چنگ کی مضراب سے اس طرح خون پیدا ہوا کہ معشوق کے ناخن رنگین یعنی حنائی ہو گئے، خون کے لحاظ سے "رگ" اور رگ مضراب کی مناسبت سے ہے؛

حنا بر ناخنش خون نیست تمر کز وقت رگ جستن
ز چنگ خشک نے ناگہ بجست و کرد تر ناخن

اس کے بعد کے شعر میں بھی نئی قسم کی تخئیل ہے، یعنی شاعر معشوق سے کہتا ہے کہ اگر چھیڑ چھاڑ میں میری ناخن سے تیرا لب چھل جائے تو اس سے رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ناخن کبھی کبھی چاشنی کی خاطر شکر میں بھی ڈال دیے جاتے ہیں،

بباز ی ناخنِ من گر لبت راخست ازین مشکن
کہ بہر چاشنی دارند گہ در شکر ناخن

سرِ ناخن کو غمزہ کی تمثیل دیتے ہوئے شاعر کہتا ہے :-

سرِ ناخن چو غمزہ تیز دارا ی جان کہ چنگے را
بر انگشتان نباشد جز بہ تیزی معتبر ناخن

حسب ذیل شعر کے ساتھ گریز ملاحظہ ہو،

بیا در دو بلطف ای صنم دل داری کہ بار دیگر
عروس ماہ خونِ دل ز رشک آلودہ در ناخن

مئے چون خونِ خرگوشم بیا و مجلسِ شاہی
کہ قہر او بکند از پنجہ شیران نر ناخن

مدح کے بھی ہر شعر میں عجیب و غریب تمثیلات و تشبیہات نئے نئے زاویے سے پیش کئے گئے ہیں، جن کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

شہنشاہ ناصرِ دنیا و دین محمود کز پیشش
بنفشا را فگند تیموز باز تیز پر ناخن

ز جور چرخ کار خصمش آمد در عذر شاید
کہ از حجام ناستادہ باشد در خطر ناخن

سرش بر ذروۂ قلعت[1] ست با تیغ سر انداز ان
چون اندر معرض تعلیم بر جسم خبر ناخن

سترد کز ہیبتِ شاہین عدلش در گریز آگنون[2]
چو بر ناخن ببیند از دو عقاب شیر تر ناخن

چنان پندارا ز بے ناخنی و تنگیِ طعمہ
کہ ناخن عاریت خواہد ز کلک مختصر ناخن

برائے آنکہ پیشِ قدرش از غیرت سری خارد
فلک ہر ماہ زان بنماید از جرم قمر ناخن

بجنب عنبرین گرد سمندش گرد در ناقہ
شدہ بے قدر چون گردی کہ باشد زیر ناخن

خدنگش گوئی انگشتیست بر دست ظفر کورا
ز روئے صورت آمد برگ بید جان شکر ناخن

چو انگشتی کہ گر خواہد بحکم نیزۂ ہندی
نشاند[3] در ضمیر آہن و قلب خنجر[4] ناخن

نہادہ تیغ قہرش بر رخ دشمن چنان داغی
کہ می ماند بر وے مادر از سوز پسر ناخن

بکین جان خصم بد نزاد وش تیز کردہ بین
گر از ان قضا دندان و شیران قدر ناخن

جہان قدرا سر تیغ تو بر دلہا چو بخراشد
بر د از پنجۂ جور سپہر سنگ[5] سیر ناخن

عدویت کے شود چون تو بہ خنجر کے رسد گرچہ
چو خنجر می کند پیدا کہ آن گاہی[6] گر ناخن

خیالش گر زند رہ کو نہد انگشت بر حرفت
بدستِ او ہبا گردد سر انگشت بدر ناخن

پناہ[7] روئے عالم شد دم تیغ تو خوش نبود
پس پشت، سر انگشتان اگر نبود سپر ناخن

حسود از ناخن جرأت اگر کین تو می سازد
مگر مسکین نمی داند کہ باشد ز ہر گز ناخن

---

[1] منتخب التواریخ میں "بر ذروۂ قلعہ است" لیکن اس کتاب کے انگریزی مترجم رین کنگ اپنے ترجمہ میں ایک دوسرے نسخہ کو دیکھ کر "سرش بر ذروۂ قلعت" لکھا ہے، اور اسی کو صحیح بتایا ہے، (ج ۱ ص ۱۳۹) [2] مطبوعہ نسخہ میں "نشاید" ہو [3] رین کنگ نے "قلب ہجر" صحیح بنایا ہے، لیکن میرے خیال میں "قلب خنجر" ہی صحیح ہے [4] مطبوعہ نسخہ "سنگ سر (؟)" [5] مطبوعہ نسخہ از گاہی [6] مطبوعہ نسخہ تباہ،

شہا گزارتا از بہر جنگ روزگار من — زند بر سہد گو ہر لحظہ چرخ کینہ ور ناخن

ناخن جیسی مشکل ردیف میں مذکورۂ بالا قصیدہ لکھ کر عمید نے اپنی جس قادر الکلامی اور اعجاز بیانی کا ثبوت دیا ہے، اس کا احساس اس کو بھی ہے، چنانچہ اس قصیدہ کے آخری شعر میں کہتا ہی:-

ردیف ناخن آوردم درین شعر یکہ سحر آمد — بلے در سحر کار آید لبان موے سر ناخن

اسی شاعر نے ناصر الدین محمود کے ایک درباری امیر تاج الدین سنجر کی شان میں بھی اسی انداز کا ایک قصیدہ کہا ہے، شمسی اور ناصری عہد میں تاج الدین سنجر کے نام کے بہت سے امرار گذرے ہیں، تاج الدین سنجر کزل خان، تاج الدین سنجر قتلق، تاج الدین سنجر کریتخان، تاج الدین سنجر تبر خان اور تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی لیکن عاجز راقم کا ذاتی خیال ہے کہ حسب ذیل قصیدہ مؤخر الذکر دونوں امرار میں سے کسی ایک کے لئے کہا گیا ہے، تاج الدین سنجر تبر خان گرجی ترک تھا، وہ ناصر الدین محمود کے زمانہ میں مختلف اوقات میں نائب امیر حاجب، جنجانہ، بھر کسمندی، مندیانہ اور برن کا اقطاع دار رہا، وکیل در کے عہدہ پر بھی ممتاز رہا، آخر میں اپنے فوجی کارناموں کے صلہ میں اودھ کا اقطاع دار ہوا، اس کے بارہ میں مولانا منہاج سراج طبقات ناصری میں لکھتے ہیں:-

"بغایت جلد و مردانہ و شہم و فرزانہ و اورا اوصاف پسندیدہ بسیار و احوال گزیدہ بے شمار
بمردی و لشکرکشی موصوف و بہ نیکو سیرتی معروف[1]،"

دوسرا امیر تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی پہلے بیانہ کا اقطاع دار اور پھر وکیل در ہوا، اس کے بعد تبرہند، اور بعد میں اودھ اور پھر کڑہ کا اقطاع اس کے سپرد کیا گیا، وہ لکھنوتی بھی بھیجا گیا، لیکن درمیانی اور آخری دور میں اس کے تعلقات شاہی دربار سے اچھے نہیں رہے[3]، اس لئے گمان غالب ہے کہ عمید نے تاج الدین سنجر

۱؎ منتخب التواریخ جلد اول ص ۹۹، ۹۷، ۲؎ طبقات ناصری ص ۲۰، ۲۵۹ ۳؎ تاج الدین ارسلان خان سنجر خوارزمی کے حالات کے لئے دیکھو طبقات ناصری ص ۴۸-۲۶۵،

تبر خان ہی کے لئے قصیدہ کہا ہوگا، اس قصیدہ کی ردیف کشتی ہے، ظاہر ہے کہ اس عجیب اور مشکل ردیف کی تشبیب نہ بہاریہ ہو سکتی ہے اور نہ عشقیہ، اس لئے مضامین میں ندرت پیدا کرنے کے لئے شاعر کو غیر معمولی قوت تخیل سے کام لینا پڑا ہے، چنانچہ تشبیب وہ اس طرح شروع کرتا ہے کہ میری آنکھ ایک محیط سمندر ہے اور خیال کشتی ہے، وہ فور غم میں بھی خیال کشتی کو آنسوؤں پر رواں کئے ہوئے ہے، شب و روز آنسو جاری ہیں، یہ کشتی کس طرح خونیں موج میں ٹھہر سکتی ہے، اس خسیس دنیا سے کیا طمع رکھوں، میں کیونکر بادبان میں کشتی چلاؤں، اس سمندر میں میری کشتی کبھی رواں اور کبھی ساکن ہے، ساکن چار لنگروں کی وجہ سے اور رواں ہفت بادبان کے سبب سے ہے، زندگی سات اعضاء دماغ، قلب، پیٹھ، دونوں ہاتھ، اور دونوں پاؤں پر قائم ہے اور چار لنگر سے مراد زمین، ہوا، آگ اور پانی ہے، پھر کہتا ہے کہ یہ لنگر اور یہ بادبان کس کام کے ہیں، جب زندگی کی کشتی اجل کے موج میں یکایک غرق ہو جائے،

مراست دیدہ محیط و خیال جان کشتی — بر آب دیدہ ز غم می کند روان کشتی
در آب دیدہ شب و روزم دیگر نہ بود — فراز و شیب ز خون موج درمیان کشتی
مراد دل چہ طمع دارم از جہان خسیس — چگونہ رانم بر روے نا و د ا ن کشتی
درین محیطم اگرچہ روان و ساکن ہست — ز چار لنگر و زین ہفت بادبان کشتی
چہ سود دارم آن بادبان و آن لنگر — چو شد ز موج اجل غرق ناگہان کشتی

اپنے ممدوح کو مخاطب کر کے کہتا ہے :-

مدار مملکت یرد جہ تاج الحق — کہ بہر قلزم غم ساخت از امان کشتی
سپہر مرتبہ سنجر کہ فتنہ زدیلہ کرد — بسوے معبر دریاے قیروال کشتی

۱؎ منتخب التواریخ سے انگریزی مترجم نے سنجر پر اپنے حواشی میں یہ نوٹ لکھا ہے کہ یہ سلجوقی حکمران ابو الحارث سنجر بن ملک شاہ بن الپ ارسلان تھا، یہ صریحاً غلط ہی،

کشتی کی ردیف مین یہ قصیدہ کس لئے کہا ہو اس کی لطیف وجہ اپنے ممدوح کو مخاطب کرکے یہ بتاتا ہو،

جو بحر خاطر من موج می زد از مدحت — ردیف ساختم از بہر امتحان کشتی

پھر اس قصیدہ مین بھی اپنی تعریف کرتے ہوئے اپنے کو "بحر فضل" اور "کان سخن" کہا ہو،

مرا نخواندی جز بحر فضل و کان سخن — چو ماہی ار بندی ز اصل بے زبان کشتی

کس از بحور افاضل بہ از عمید کہ راند — ز نیل فضل درین قلزم بیان کشتی

ملک تاج الدین سنجر نے اسی شاعر کو دو بار تحفے مین آہو (ہرن) بھیجے، اس نے آہو ہی کی ردیف مین قصیدہ لکھکر اپنی سخنوری کی مہارت کا ثبوت دیا، آہو کی مناسبت سے عشقیہ تشبیب مین "نرگس مست" "زلف مشکبار" "خط بنفشہ زار" "صید دل" وغیرہ کی ترکیبون سے پورا تغزل کا رنگ پیدا کر دیا ہے،

زہے ز نرگس مست تو پر خمار آہو — ز بند نافۂ مشک تو شرمسار آہو

بہ حیرتست در آن چشم دیدۂ نرگس — بغیرتست در آن زلف مشکبار آہو

بگرد بستان صدرہ چو دائرہ برگشت — ندید چون خط تو یک بنفشہ زار آہو

چہ صنعت است در آن نرگسش کہ آن غمزہ — درونش صید دلست و برون شکار آہو

ز رشک نقطۂ مشکین کہ بر گل تو چکد — مدام دارد در سینہ خار خار آہو

گریز مین اپنے ممدوح کو شکار کا مبارک شیر کہتا ہے، جس کے سامنے بد مست فلک کی حیثیت محض ایک آہو کی ہے، اور پھر یہ کہتا ہے کہ آہو اس کے ممدوح کے در کی خاک سے خطا کی طرف شمامہ کا فور لے گیا، آہو کو اور جانورون پر اسی لئے فضیلت ہے کہ اس کے ممدوح کے دربار کی خاک سے اس نے نافہ حاصل کیا، بلکہ آفتاب کو بھی اسی کے دربار کی خاک سے زینت حاصل ہو، گو یہ انتہائی مبالغہ ہے، لیکن طرز ادا مین یہ مبالغہ طرازی لطف سے خالی نہین،

ز چشم مست تو بودش خمار و مے شکند — ز جام بزم جہان پہلوان خمار آہو

خجستہ شیر کمین تاج دین حق سنجر — کہ شرزۂ فلکش ہست در شمار آہو

صواب دید کہ سوے خطا ز خاک درش — برد شمامۂ کافور یادگار آہو

گمر بخاک جنابش کہ دیدہ زینش خور؟ — کہ برد حوش شد از نافہ کامگار آہو

آہو کی ردیف بنانے کی وجہ بتاتے ہوئے کہتا ہے،

ردیف مدح تو صد بارہ زید آہوی خنک — ز مکرمت چو فرستادہ ام دو بار آہو

بنا نہ داشت ازین پیش کار بار اکنون — ز فر مدح تو دارد رواج کار آہو

ملا عبد القادر بدایونی نے اس شاعر کا خطاب و نام ایک جگہ تو ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی[1] اور دوسری جگہ ملک الملوک و الکلام امیر فخر الدین عمید تونکی لکھا ہے، تذکرون مین عرفات العاشقین مین خواجہ فخر الدولہ عمید الدین الدیلمی، مجمع الفصحا مین فخر الملک خواجہ عمید الدین تونکی، گل رعنا مین عمید الدین تولکی سنامی، آتشکدہ مین فخر الدولہ عمید الدین اور مخزن الغرائب مین مفخر الفضلا مرقوم ہے، ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عمید الدین تو نام اور ملک الکلام، فخر الدین، فخر الدولہ، مفخر الفضلا خطاب تھا، لیکن ظاہر ہے کہ ان مین سے کوئی ایک ہی خطاب ہوگا، اور یہ خطاب یا تو دربار سے ملا ہوگا، یا مورخون اور تذکرہ نویسون نے یہ القاب شاعر کی شاعرانہ و علمی عظمت کے لحاظ سے اپنی طرف سے لکھ دیئے ہین، عرفات العاشقین مین مرقوم ہے کہ "گویند نامش عمید الدین و لقبش فخر الملک" حالانکہ اس کے مولف نے اس کا لقب فخر الدولہ بھی تحریر کیا ہو، عرفات العاشقین اور گل رعنا مین ہو کہ فخر الملک کا خطاب غیاث الدین بلبن کے لڑکے سلطان محمد نے دیا، لیکن اس بیان کو یقین کرنے مین اس لئے تامل ہو کہ سلطان محمد اپنے باپ کی موجودگی مین کسی کو خطاب نہین دے سکتا تھا، امیر خسرو اور حسن دہلی اس کے ساتھ برسون رہے، لیکن اس نے ان دونون ارباب کمال کو کسی خطاب سے سرفراز نہین کیا،

شاعر کی وطنی نسبت تولکی، تونکی، بولکی، لوکی، دیلمی اور سنامی لکھی گئی ہے، تونکی، لوکی، اور لوبکی

---

[1] و [2] منتخب التواریخ جلد اول ص ۹۷، ۷۰،

تو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، غالباً تولکی صحیح ہے[1] جو شاید دیلم میں کوئی قصبہ ہو، اسی لئے بعض تذکرہ نویسون نے اس کو دیلمی بھی لکھا ہے، آتشکدہ میں ہو کہ "اصلش از دیار دیلمانست"[2] لیکن مجمع الفصحاء میں ہے کہ

"فخر الملک خواجہ عمید الدین گویند نہ از دیلم رشت است داز ہندوستانست و منشاش سنام بودہ"

پھر اس کا مؤلف لکھتا ہو کہ

"بعضے او را چنانکہ اشارت شد، از اہل گیلان من بلاد دار المرز و طبرستان دانند، ہمانا از گیلان بودہ بہ ہندستان رفتہ و دیا لمہ اہل آن ولایت را گویند، و سبب را عمید تولکی ہم نامند، سبب آن معلوم نشدہ، بہر صورت، مقصود اشعار و گفتار است نہ مولد و منشاء"

ان مختلف بیانات کی بنا پر یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ شاعر کا آبائی وطن دیلم کا قصبہ تولک تھا، لیکن اس کے آبا و اجداد جب ہندوستان آئے تو سنام میں سکونت پذیر ہوئے، اور یہین اس کی نشو و نما ہوئی، عرفات العاشقین مین ہو:-

"منشاء اس سنام بود لہذا گفتہ آید ع تا ابد از وے گرفت سنام نام"

مجمع الفصحاء اور گل رعنا مین بھی اس کا منشا سنام ہی بتایا گیا ہے،

عرفات العاشقین اور گل رعنا مین اس کی ولادت کی تاریخ ۶۵۵ھ بتائی گئی ہو، عرفات العاشقین کے مؤلف نے یہ تاریخ عمید کے ان اشعار سے نکالی ہے،

یا رب اگرچہ بیش از ین بود مرا دل و جگر	خستہ دلبر چگل بستہ گلرخ تیک
در سر نون و دال عمر دیس خاتون ہا	شکر کہ مرغ ہمتم رست بجہد زین شرک

دوسرے شعر مین ن اور د کے تو ۵۴ اور خ ن ہ کے ۶۵۵ ہوئے، شعر مین پس خا دنون و ہا آخر،

---

[1] تذکرہ روز روشن مین ہو کہ تولک شہریست در ملک ایران بود پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا خیال ہو کہ تولک غور مین ایک قصبہ کا نام ہو دساں اردو جنوری ۳۳ء ص ۰۰ [2] آتشکدہ ص ۱۲۹

یعنی ۶۵۵ سے ۵۴ کو گھٹا لیا جائے، تو ۶۰۱ ہوئے[1] پھر تعجب ہو کہ عرفات العاشقین نے ۶۵۵ھ کیسے تاریخ ولادت بتائی ہے، ۶۰۱ھ ہونی چاہئے، یہ تاریخ اس لئے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ عمید الدین نے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، سلطان ناصر الدین محمود کی شان مین ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا، سلطان کی وفات ۶۶۴ھ مین ہوئی، اگر عرفات العاشقین کے مؤلف کی بتائی ہوئی تاریخ ولادت صحیح سمجھی جائے تو سلطان ناصر الدین محمود کی وفات کے وقت عمید الدین کی عمر صرف نو سال کی ہوتی ہے، اس عمر مین قصیدہ پیش کرنا ممکن نہین، اس لئے ۶۰۱ھ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے،

آتشکدہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ عمید الدین نے کل ۵۴ سال کی عمر پائی، اس لحاظ سے اس کی وفات سلطان ناصر الدین محمود ہی کے عہد مین ہوگئی ہوگی، ملا عبد القادر بدایونی نے بھی اس کا ذکر اسی سلطان کے دور مین کیا ہے، لیکن خود ملا صاحب نے عمید کا ایک ایسا قصیدہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ عمید نے سلطان بلبن کو بھی اسکی حکومت کے زمانہ مین مخاطب کیا تھا، اس قصیدہ کے تین چار اشعار ملاحظہ ہون

مشرف بنور عارضت از خاچہ اگشہ	چون من بہ دور دولت این شہریار بند
شاہ جہان کشائے نصیر الحق آنکہ ہست	بر دست و پائے بخل ز جود ش ہزار بند
والا محمد بلبن کز کمند قہر	بر سرکشان نہد بگہ کارزار بند
اے خسرو زمان کہ مین تو برکشاد	گنجور قدرت از صدف کان بسیار بند

دین کنگ نے اپنے انگریزی ترجمہ مین نصیر الحق کو اسم معرفہ ہی قرار دیا ہے، لیکن میرے خیال مین یہ بلبن ہی کے لئے صفت ہے، مگر تعجب ہوتا ہے کہ شاعر نے بلبن کے لئے غیاث الدین کا لقب کیون نہین استعمال کیا ہو، غالباً انہی اشعار کو دیکھ کر عرفات العاشقین کے مؤلف نے عمید کے متعلق لکھا ہے کہ

"معاصر سلطان محمد بلبن و دمی ملازمت آن بادشاہ کردی، و در دیوان و دولت او باشراف مفوض بودی"

---

[2] منتخب التواریخ کے انگریز مترجم جارج دین کنگ نے بھی یہی تاریخ نکالی ہو، دیکھو انگریزی ترجمہ جلد اول

لیکن مجمع الفصحا مین یہ بیان دیکھ کر تعجب ہوا کہ

"مداح سلطان محمد یمین می بودہ"

اسی کا حوالہ جارج رینکنگ نے منتخب التواریخ کے انگریزی ترجمہ کی جلد ا ص ۱۳۰ کے حاشیہ پر دیا ہے، میرا خیال ہے کہ یمین کتابت کی غلطی ہے، یمین کے بجائے بلبن ہونا چاہئے، البتہ عرفات العاشقین کا یہ بیان عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے :-

"گویند از قاآن ملک سلطان محمد بلبن خطاب یافت و علماء و فضلاء را بغایت عزیز داشتے امیر خسرو و امیر حسن ..... در ملتان ندیم مجلس خاص وے بودہ اند"

گل رعنا کے مؤلف کا بھی بیان ہے کہ

"عمیدالدین از اعظم فضلا و شعرائے ہندوستان بود، بعد تحصیل کمالات خود را بدرگاہ سلطان محمد قاآن بن سلطان غیاث الدین بلبن رسانید، و بمزید تقرب اختصاص یافت، و بفخر الملک ملقب گشت، و دستے و جمعیتے اندوخت، امیر خسرو دہلوی بخدمتش رسیدہ"

عرفات العاشقین مین معلوم نہین قاآن ملک سلطان محمد بلبن ایک ہی ساتھ کیون لکھ دیا گیا ہے قاآن ملک محمد سلطان تو شہزادہ کا نام تھا، اور بلبن اس کا باپ تھا،

عرفات العاشقین مین کہین یہ ذکر نہین کہ عمید سلطان ناصرالدین محمود کے دربار سے بھی وابستہ رہا، لیکن شروع مین ہم اس سلطان کی شان مین ایک قصیدہ نقل کر آئے ہین، اس لئے یقینی ہے کہ وہ سلطان ناصرالدین کا بھی مادح تھا،

....

اسی طرح گل رعنا کے مؤلف نے سلطان ناصرالدین محمود اور بلبن کے دربار سے اس کی وابستگی کا ذکر مطلق نہین کیا ہے، اور اس کو شہزادہ محمد سلطان ہی کا درباری قرار دیا ہے، لیکن اگر اس کی تاریخ ولادت صحیح سمجھی جائے، تو پھر یہ بیان مشکوک ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ یقین کرنے مین تامل ہوتا ہے کہ ستر اسی برس کی عمر مین اس نے ایک نوجوان

شہزادہ کے دربار کی ناصیہ سائی کی ہو، شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان مین سنہ ۶۷۰ھ سے سنہ ۶۸۳ھ تک قائم رہا، اگر سنہ ۶۸۳ھ سے پہلے عمید اس کے یہان پہنچا، تو بھی اس وقت اس کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی، اس عمر مین ایک نوجوان شہزادہ کی ندیمی بظاہر قابل قبول نہین معلوم ہوتی، اس کے تمام قصائد اس وقت پیش نظر نہین، جو ہم تک پہنچے ہین، اُن مین سے ایک قصیدہ مین محمد کا نام آیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ شہزادہ محمد سلطان ہی کی مدح ہو، لیکن اسی قصیدہ مین نصیرالحق کا لقب بھی استعمال کیا گیا ہے، جو عمید نے اپنے ایک اور قصیدہ مین سلطان محمد بلبن کے لئے استعمال کیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہین، اس لئے یہ نہین کہا جا سکتا ہے کہ حسب ذیل اشعار شہزادہ محمد سلطان ہی کے لئے کہے گئے ہین، ممکن ہے کہ یہ بھی محمد بلبن ہی کی مدح مین ہون، ایک قصیدہ مین بلبن کو محمد بلبن کہہ کر مخاطب کیا تھا، اس مین صرف محمد ہی کہا ہے، اور اگر یہ شہزادہ محمد ہی کی مدح ہے، تو پھر اس کو نصیرالحق کیون کہا جو بلبن کے لئے استعمال کیا جا چکا ہے،

چو غنچہ گرچہ لب از روزہ بستہ بکشائی	چو من ز خوان مدیح خدایگان روزہ
محیط فیض نصیرالحق آنکہ بکشادند	ز گرد سفرۂ اکرامش انس و جان روزہ
قضا طلیعہ محمد کہ ہست نیزۂ او	بخون خصم کشادہ ز سر سنان روزہ

اگلے ایک شعر مین ممدوح کو بادشاہ کی حیثیت سے مخاطب کرتا ہے، ظاہر ہے کہ ایک شہزادہ کو بادشاہ نہین کہا جا سکتا،

زہے شہے کہ گرفت از برائے حفظ رمہ	بدور معدلتت گرگ چون شبان روزہ

شہزادہ محمد سلطان باپ کی زندگی مین اپنے اقطاع کا کوئی آزاد اور مطلق العنان حاکم یا فرمانروا بھی نہین ہو گیا تھا کہ جس کی بنا پر اس کو شاہ کی حیثیت سے مخاطب کیا جا سکتا تھا،

عرفات العاشقین کا یہ بیان بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے کہ عمید خسرو کا سرپرست تھا، اگر وہ واقعی خسرو کا مربی ہوتا تو خسرو کے قصائد مین اس کی شان مین بھی کوئی نہ کوئی قصیدہ ضرور پایا جاتا، یا وہ

اپنی کسی اور تحریر میں اس کا ذکر ضرور کرتے، لیکن خسرو کہین اس کا حوالہ تک نہین دیتے،[۱]

عرفات العاشقین مین ہے کہ عمید بلبن کے زمانہ مین مشرف (اکاؤنٹنٹ) کے عہدہ پر مامور تھے،

"معاصر سلطان محمد بلبن بودے ملازمت آن بادشاہ کردی، و در دیوان دولت او باشراف مفوض بودے"

منتخب التواریخ مین ملا عبد القادر بدایونی نے اس کے نام کے ساتھ مستوفی جمیع ممالک لکھا ہے، "در اس کا ذکر سلطان ناصر الدین محمود ہی کے زمانہ مین کیا ہے، اس لئے خیال ہوتا ہو کہ وہ اسی سلطان کے عہد مین مستوفی الممالک تھا، اس خیال کی تائید مخزن الغرائب کے اس بیان سے ہوتی ہے،

"فخر الفضلاء خواجہ عمید مستوفی و مشرف جمیع ممالک ہندوستان بود در عہد سلطان سلطان ناصر الدین"......[۲]

لیکن خود عمید نے ایک قصیدہ مین بلبن کو مخاطب کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بلبن کے عہد مین مشرف کے عہدہ پر مامور تھا، مگر کسی سبب سے معزول کرکے قید مین ڈال دیا گیا، شاید وہ ناصر الدین محمود کے عہد مین مستوفی الممالک رہا ہو، اور بلبن کے زمانہ مین مشرف الممالک کے عہدہ پر فائز کیا گیا ہو، لیکن فرائض منصبی کو ایمانداری سے انجام نہ دینے کے جرم مین قید کر دیا گیا ہو، اور جب وہ قید خانہ مین تھا تو اس نے سلطان بلبن کو اپنے ایک قصیدہ مین مخاطب کرکے کہتا ہے کہ اس کے ایسا اہل فضل اور طوطی سخن قید مین پڑا ہے،

فرمودۂ کہ بند نہند اہل فضل را   ہے ہے بر اہل فضل منہ زینہار بند

[۱] ڈاکٹر اقبال حسین نے عمید الدین پر جو مقالہ اپنی کتاب "فارسی کے قدیم شعراء" مین لکھا ہے، اس مین عرفات العاشقین اور ریاض رعنا کے بیانات کو صحیح تسلیم کرگئے ہیں، بلکہ لکھدی ہیں اجوان دونون تذکرون مین ہین [۲] نیز دیکھو نزہتہ الخواطر جلد اول ص، ۱۰۱،

تنظیم کن ز حسیدۂ واز درج خاطرم   بر نوعروس مدح در شاہوار بند

ہرگز کس از ملوک بر اہل سخن نہاد   روزی زراہ سلطنت وگیر و دار بند

من طوطی سخنورم آخر نہ چرہ باز   در پائے طوطیان فلا آمد شکار بند

اس قصیدہ کے تقریبًا چالیس اکتالیس اشعار مین اسی قسم کے خیالات کا اظہار ہے، اس کا ایک اور حبسیہ قصیدہ ہو جس مین ۳۹ اشعار ہین، وہ توبہ و استغفار کی خاطر اپنی تمام کمزوریون مثلاً بے جا خیالات بے جا مداحی اور بے جا حرص و ہوس وغیرہ کو یاد کرکے سلطان سے مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ وہ تنہا مجرم نہین بلکہ اُس کے برعکس وہ مشرف کے فرائض بہتر طریقہ سے انجام دیتا رہا ہو،

ہمہ مانم ہر یکے در شغل و من در بند حبس   حاشہ للہ زین سخن تنہا گنہ من کردہ ام

کار برعکس است ورنہ خود کہ روز بدکشد   شغل اشرافی[۱] کہ من بر وجہ احسن کردہ ام

آخر مین وہ اس صلہ مین کہ اُس نے اپنے اشعار مین توحید کے نغمے بھی گائے ہین خداوند کریم کی رحمتون کا طلبگار رہتا ہے،

یارب از نخل کرم برگ و نوائے من بدہ   مرغ جان را چون بہ توحید تو آن کردہ ام

خلعت امنم کرامت کن کہ مارا در گہت   با من اصلیت اینک قصد با من کردہ ام

دور دار از ظلمت شرک و نفاق و حقد کین   باطنی کز نور اخلاص مزین کردہ ام

آفتاب معرفت در سینہ ام تابندہ ام   چو گہر ہائے یقین را سینہ معدن کردہ ام

سلطان کے دربار مین معذرت اور بارگاہ خداوندی مین استغفار کرنے پر غالبًا اس کی رہائی قید سے ہوگئی تھی، معلوم نہین قید و بند کے زمانے مین اُس نے اور بھی قصائد لکھے تھے، یا صرف وہی

[۱] منتخب التواریخ مین "اشراقی" ہے، اس کے انگریزی مترجم ویبن کنگ نے اشراقی پر نوٹ لکھتے ہوئے فلسفۂ اشراقیہ سے بحث کی ہی، شغل اشرافی سے مراد مشرف کا عہدہ ہے، اشراقی کتابت کی غلطی ہی،

دو ہین، جن کو ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ مین نقل کیا ہے، ان دونون قصائد مین اس کے جوش بیان کے ساتھ اس کا حسن اسلوب، جدت ادا، اور مضمون آفرینی خاص طور پر نمایان ہین[۱]، اس نے ان جیسے قصائد مین بھی جابجا اپنی سخنوری، اور قادر الکلامی کا دعوی کیا ہے، مثلاً ایک جگہ کہتا ہی،

نامم زشرق وغرب گذشت از سخن دری	واجب کند بپائے چنین نامدار بند

پھر دوسرے موقع پر کہتا ہے

ہستم این یک شہر دیوانی وصد درج گہر	ہلکہ ہر بیتش بہ از شعر ملون کردہ ام

اور یہ دعوی محض شاعرانہ تعلی نہین، ملا عبد القادر بدایونی جیسے ناقد فن نے اس کو ملک الملوک الکلام لکھا ہی، اور اس کے مختلف قصائد کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے اس کے کلام کا اقتباس اپنی منتخب التواریخ کے اسی اوراق مین دیا ہے، عرفات العاشقین کے مولف نے اس کو "استاد الکلام" "افتخار الانام عمید (یعنی ستون) اقلیم سخنوری؛ وحید (یعنی یکتا) زمان معنی پروری، آفتاب جہان گیر کمال" اور "مہر سپہر قدر وجلالت" وغیرہ لکھکر اس کی شاعری کی تعریف ان الفاظ مین کی ہے،

"در صنائع وبدائع معانی بیانش سحر پرداز ودر متانت ورزانت سخندانی دہنش صاحب اعجاز است"

اور اس تعریف کے غلو مین یہ بھی کہتا ہے کہ عمید کے کلام کی فصاحت سحبان کی فصاحت سے بڑھ کر تھی،

"فصاحت سحبان در جنب سخنانش فصاحت دابل یافتہ"

مجمع الفصحا کے مولف نے اس کو ایک فصیح البیان اور پختہ کلام شاعر کہا ہی،

---

[۱] ڈاکٹر اقبال حسین نے لکھا ہی کہ عمید کے جیسے قصائد اپنی دلآویزی، جذبات نگاری، اور حسن بیان مین مسعود سعد سلمان اور خاقانی کے حبسیات کے ہم پلہ ہین (ہندوستان کے قدیم شعرا ص ۲۱۳)

مذکورۂ بالا ارباب نظر نے جو کچھ اس کی تعریف وتوصیف کی ہے، اس کی تصدیق خود اس کے کلام سے ہوتی ہے، اس نے شاعری کی ہر صنف مین طبع آزمائی کر کے اپنی جدت طبع اور سخن وری کا ثبوت دیا ہے، قصائد مین نہ صرف اس نے سلاطین اور امرا کی مدح سرائی کی ہے، بلکہ حمد ونعت کے نغمے بھی بلند کئے ہین، مولینا شہاب الدین مہمرہ کے ذکر مین یہ کہا جا چکا ہے کہ وہ عمید الدین کے استاد تھے، یہ راے ملا عبد القادر بدایونی کی حسب ذیل تحریر کی سند پر قائم کی گئی ہے،

"ملک الکلام فخر الملک عمید تولکی او (یعنی شہاب مہمرہ بداونی) را باستادی یاد کردہ"

پہلے یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے شعرا مین مولانا شہاب ہی کو حمد ونعت کہنے مین اولیت حاصل ہی، عمید نے شاید استاد کی تقلید ہی مین حمد ونعت دونون مین قصائد کہے ہین، حمد وصنع مین اس کے ایک قصیدہ کے اچھوتے خیالات کے بعض اشعار ملاحظہ ہون، کہتا ہے کہ اللہ تعالی نے آفتاب اور ماہتاب دو بادشاہ پیدا کئے ہین، جو آسمان کے گنبد نیلگون پر سفر کرتے رہتے ہین، سیارے ان کے جلو مین رہتے ہین، فلک کے نو پردے ہین، یعنی قمر، عطارد، زہرہ، شمس، مریخ، مشتری، زحل، ثوابت اور اطلس سے سینکڑون ستارے جھلملاتے ہین، دنیا کو دو خادم عطا کئے ہین، ایک رات اور ایک دن، رات ہندو ہے دن رومی ہے، یعنی ایک سیاہ ہے، اور دوسرا سفید ہے، وغیرہ وغیرہ،

برخیز عمید ارنہ فسردست دل تو	بگذر زغزل حمد خداوند جہان گو
مداحی درگاہ خدا کن کہ برافراشت	بے زحمت آلات بسے گنبد مے تو
دو شاہ روان کردین طارم ازرق	بس دادہ زبیار وشان خیل زہر سو
صد شاہد اختر بگہ شام نمودہ	مشاطۂ صنعش زپس پردہ نہ تو
فرمودہ بنا تون جہان از شب واز روز	دو خادم چالاک لقب رومی وہندو

---

[۱] پورا قصیدہ منتخب التواریخ ج اول ص ۱۰۱، ۹۹ پر درج ہے،

ایک اور حمد مین فلک، اسمک، غلک، پرک، خچیک، محک، اکیک، وغیرہ جیسے سنگلاخ قوافی ہین، اس مشکل زمین مین عمید نے انوری کے ایک قصیدہ کی تقلید مین اپنا قصیدہ کہنے کی کوشش کی ہے، انوری کے قصیدہ کے دو چار اشعار پہلے ملاحظہ ہون، واضح رہے کہ انوری کا یہ قصیدہ حمد مین نہین کہا گیا ہے، بلکہ کسی کی مدح مین ہے،

ای سپاہت را ظفر لشکر کش نصرت یزک
نے یقین بر طول و عرض لشکرت واقف نہ شک

بستہ گرد موکب صدر پردہ بر روی سماک
کردہ نعل مرکبت صدر رخنہ در پشت سمک

چون رکاب تو گران گردد عنان تو سبک
روز ہیجا اے سپاہت انجم و میدان فلک

فخر الملک عمید نے اپنی حسب ذیل حمد مین گو انوری ہی کا چربہ اتارنا چاہا، لیکن اس نے نئے نئے الفاظ کے ساتھ نئے نئے مضامین بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، جو اس کی لفظی صنعت گری اور تخیل آرائی دونون پر قدرت رکھنے کی بین دلیل ہے، ہم اس قصیدہ کے خاص خاص اشعار ہی کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہین،

ای زہیب حکم تو خم زدہ قامت فلک
خطبۂ کبریاے تو وحدک لا شریک لک

ملک تو ملک ثابت ست ملک تو ملک راستین
ملک نہ ملک منقلب ملک نہ ملک مشترک

پرتو نور قدس تو چہرہ کشاے مہر و مہ
گوشہ نشین ملک تو اوج سماک تا سمک

عاسک مہ نشستہ در سرو پاے ہر مہے
غور محیط بستہ گر دستارۂ پرک

از جگر تنور شرق امر تو می برآورد
قرصۂ زر مغربی از پس سیمگون خچک

در چمن از عنایت دست مشاطۂ صبا
غازۂ لطف می کشد برگ منال بر خچک

بر سر عرض نوبہار از در آفرینشت
لالہ نشستہ با سپر بید ستادہ با نچک

قطرۂ فیض قرب تو گر بچکد بجام دل
ابر نیاز گو مبار اشک امید گو مچک

پایگہ سخنوری یافتم از قبول تو
خود ز ازل بدون تو دست مراست این خمک

بر فلک رسالتش راہروان شرع را
ہر یک ازین چہار رکن آئینے از تمر فرک

ان قوافی مین انوری کے قصیدہ مین کل ۲۴ اشعار ہین لیکن عمید نے اپنی سخن دانی کے زور مین تقریباً دو گنے یعنی ۴۸ اشعار کہے ہین اور ایسے قوافی لائے ہین جو انوری کے یہان مطلق نہین ہین، اسی قصیدہ کے حسب ذیل اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمید سنی المذہب تھا، وہ خلفائے راشدینؓ کا مداح اور حامی تھا، اور شیعہ حضرات حضرت ابوبکرؓ پر باغ فدک کا جو الزام رکھتے ہین، اس کی گویا تردید کرتا ہے،

مردم این دو دیدہ را چار شمر ز درستی
ورنہ بجا نزی از درج ساختہ مہر درک

رفض چہ فائدہ کند چو علی از تو شد بری
زر چہ عیار برد ہر چہ تنا بدش محک

کاسہ رباب را چہ نقص ار گسلد ز زخمہ در
تار بریشمی برد یا بسر آیدش خرک

روسہ نامۂ رسول از مہر صدق باز کن
تا شود از ضمیر تو ماحی تہمت فدک

وآنکہ چو بوم شوم دم لاف زند خارجی
محرم غار از و جدا نکہ آیت روز و شب یک

اس قصیدہ مین کہین کہین نعت اور منقبت کے بھی اشعار قلمبند کر دیئے گئے ہین، لیکن عمید نے مستقل ایک نعتیہ قصیدہ بھی کہا ہے، اس کے بھی کچھ اشعار ناظرین سن لین، پہلے دو شعر مین "لفظ طراز" کا استعمال صنعت اشتقاق کے لحاظ سے کیا گیا ہے، تیسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ روضۂ نبوت کے پھول سے جو خوشبو پھیلتی ہے، وہ اس طرح کی ہے، کہ صبا چین سے ماچین تک ایسی خوشبو کبھی نہین لے گئی، چوتھے شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول پاکؐ پر جو کائنات عالم کے سردار ہین، آسمان نے قیمتی موتی صدف کی طرح نثار کئے ہین،

پانچوین شعر مین عجیب و غریب تمثیلات و تلمیحات ہین، پنج نوبت سے پانچون وقت کی نماز اور دو علم سے آفتاب و ماہتاب مراد ہین، "آخورۂ مسدس سے اشارہ عالم الانس، عالم الجن، عالم الملائکہ، عالم الحیوان، عالم النبات، اور عالم المعادن کی طرف ہے، حصار غتمینش سے مطلب ساتوان آسمان یعنی زحل ہے، اور اشعار مین بھی اسی قسم کے الفاظ کے اشکال اور معانی کے اغلاق ہین، جن سے خاقانی کا رنگ جھلکتا ہے،

جیسا کہ ناظرین کو حسب ذیل چند اشعار سے خود اندازہ ہو گا،

سخن طرازم اکنون کہ طراز آستینش زطراز جان بجوید چو طراز آفرینش
رہ طرز تو گزینم ز طراز نعت یکرہ کہ دو کون شد کتابہ ز طراز آستینش
گل روضۂ نبوت کہ ز بلبلش بما چین تحفے برون ز نافہ نبرد صبا ز چینش
سر کائنات عالم بہ پائے ہمت او چو صدف نثار بردہ فلک اندر ثمینش
فلک نہ پنج نوبت دو علم سہ پایہ کرد ز تنور ہ مسدس بجھا ر ہفتمینش

انوری کے طرز پر عمید نے ایک اور قصیدہ کہا ہے جس میں خیالات کی برجستگی کے ساتھ ساتھ زبان کی روانی، الفاظ کی شیرینی اور طرز ادا کی شگفتگی و دل آویزی بھی ہے، انوری کے قصیدہ کے دو تین شعر پہلے ملاحظہ کر لیں،

چند ازین گردون ہر دم دگرگون زیوری آسمان بر عالمے بندد زمین کشوری
کشوری و عالمی را ہم زمین و ہم زمان از چنین بزمے تواند داد ہر دم زیوری
مجلس کو دعوی فردوس را باطل کند گر میان ہر دو بنشانند عادل داوری

اب ان ہی قوافی میں عمید کے بھی خاص خاص موسیقی بھرے اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں، ان میں صنعت سجع کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، یعنی ہر بیت کے تین تین قافیے ہیں، اور چوتھا قافیہ قصیدہ کی زمین کا ہے،

بخت امیدم بردہ شد حالم کز رنج افسردہ شد شاخ طرب پژمردہ شد بے آب چون نیلوفری
بودم درین تیمار و غم پر وردۂ رنج و ستم کز در در آمد صبح دم شمشاد قدمہ پیکری
نسرین بر و گوچک دہن شکر لب و شیرین سخن در بر لطافتش پیرہن در سر ز نازش معجری
از خواب خوش برخاستہ زلف سیہ پیراستہ خود را چو باغ آراستہ بربستہ زیبا زیوری
شکلش ز بہ دل انگیختہ سرمہ بہ چشمش ریختہ غبغب فرو آویختہ چون دلبر سیمین بری
باریک ساق دستخت سم فربہ کفل باریک دم ہرگز نہ کردہ راہ گم در تیرہ شب بے رہبری

شاخش چو ماہ یکشبہ چشمش سیہ تر از شبہ نامش چو ذکر شتر بہ مشہور در ہر کشوری[۵۱]

اس قسم کی فصیح اور شیریں زبان میں قصیدہ لکھنے پر اس کو اپنے متعلق شاید ضرورت سے زیادہ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی، اس لئے فخر و تمکنت کے ساتھ کہتا ہے،

مثل عمید تو سخن نادر دوران در زمن نہ در سپاہان دید نہ در ہمہ قند دہری

یہ تو اس کی تعلی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اس نے نہ صرف پرانے اساتذہ کے رنگ میں کہہ کر اپنی قادر الکلامی کا اظہار کیا ہے، بلکہ مشکل اور عجیب و غریب ردیف مثلاً ناخن، کشتی، آہو اور روزہ وغیرہ اختیار کر کے اپنی سخن سنجی کے اعجاز اور بقول مؤلف عرفات العاشقین طرز بیان کی سحر پردازی کا ثبوت دیا ہے، جس کے نمونے ہم پہلے پیش کر چکے ہیں، روز روشن کے مؤلف نے اس کے قصائد کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ مقبول رہے[۵۲]، ڈاکٹر اقبال حسین اس کے قصیدوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی غایت عقیدت میں لکھتے ہیں کہ اس کے بعض قصائد میں اعلیٰ درجہ کی خوش بیانی ہے، اور ان میں جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے، وہ فطری اور پاکیزہ ہیں، اُن کے تخیلات زیادہ تر جاذب توجہ اور مناسب ہیں، طرز نگارش شستہ اور چست ہے، اور قافیہ بندی میں ہمواری اور روانی، مخدومی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی کا بھی رقمطراز ہیں کہ قدرت کلام اور فصاحت بیان میں عمید اول درجہ کے فارسی شعراء میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے، لیکن معلوم نہیں انھوں نے یہ کیسے لکھ دیا کہ شاید غزل گوئی جس کا ان دنوں ایران میں چرچا بڑھتا جاتا تھا، اسے ناپسند تھی[۵۳]

عمید کا جوش طبع غزل گوئی میں بھی ابھرا، اور گو ہندوستان میں اس تغزل کی شراب کو میر حسن اور خسرو نے تیز کیا، لیکن عمید کی قصیدہ نگاری اور غزل گوئی سے جو مے دو آتشہ پیدا ہوئی، وہ اس لائق ہے کہ اس سے بھی کچھ سرور حاصل کیا جائے، عمید کے قصائد کی عشقیہ تشبیب میں تغزل کی ساری رنگینیاں

---

[۵۱] یہ اشعار مجمع الفصحاء سے لئے گئے ہیں [۵۲] روز روشن ص۴۷۷ [۵۳] تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت،

پائی جاتی ہین، اس قسم کی تشبیب کو علحدہ کر لیا جائے تو وہ غزل بن جائے، اسی طرح اُس نے جو غزلین کہی ہین، ان مین قصیدے کی تشبیب کی پوری جھلک ہو، مثلاً حسب ذیل غزل کے علحدہ علحدہ اشعار مین اُس نے مفرد خیالات پیش کرنے کے بجائے، معشوق کے چہرے، بال، گیسو، طرّہ، غمزہ، رفتار، رخسار، لب وغیرہ کی مسلسل تعریف کی ہو، جس طرح قصیدہ مین ممدوح کے جود وسخا، جبروت واقتدار اور عدل وانصاف کی مدح کی جاتی ہے، اسی طرح اس غزل مین معشوق کے حسن وجمال کی تعریف وتوصیف کی گئی ہو، زبان تو بے شک غزل کی ہے، لیکن انداز بیان قصیدہ کا ہے، پوری غزل مین بڑی صفائی اور روانی ہے، جو خاص خاص صنائع وبدائع کے ساتھ قلمبند کی گئی ہے، پہلے غزل، پھر اس کی صنعتین ملاحظہ کرین،

روے تو پیرایۂ صحنِ چمن، موے تو سرمایۂ مشکِ ختن

بستۂ گیسوے تو صد دین و دل خستۂ بادامِ تو صد جان وتن

طرۂ طرار تو عاشق فریب غمزۂ خونخوار تو لشکر شکن

فتنۂ رفتار تو کبکِ دری والۂ رخسار تو ہر مرد و زن

درگہ خندہ لبِ لعلت شکست رونق بیجادہ و دُرِ عدن

زلف تو بر روے تو کوہی کہت سنبل پرخم زدہ بر نسترن

نرگس جادوے تو ہنگامِ ناز آفتِ جان و دل مجروحِ من

بندۂ خاک در تو شد عمید آتشِ غم در دل و جانش مزن

مطلع مین صنعت ترصیع ہے، یعنی دونون مصرعے کے الفاظ، وزن اور قافیے متحد ہین، اور چوتھے شعر مین ذو قافیتین کے ساتھ کچھ ترصیع کی صنعت بھی آگئی ہے، پھر پوری غزل مین معشوق کے کئی اوصاف کا ذکر پے درپے اس طرح کیا گیا ہے کہ صنعت تنسیق الصفات خود بخود پیدا ہو گئی ہو،

ڈاکٹر اقبال حسین کا خیال ہو کہ عمید کی غزلین انتہائی درجہ کی روان اور مترنم ہین، اور اُن کے خیالات

عموماً سیدھے سادے ہین، اس کے طرز ادا مین جو فطری روانی ہے، اس کی وجہ سے اس کی شاعری مین ہمواری اور موسیقیت پیدا ہو گئی ہے، عمید کی غزلون کا مجموعہ سامنے ہوتا تو پھر یہ فیصلہ آسانی سے کیا جا سکتا تھا کہ ڈاکٹر اقبال حسین کا یہ خیال بالکل صحیح ہو، یا اس کے اظہار مین کچھ غلو سے کام لیا گیا ہے، مندرجہ بالا غزل پر تو اس راے کا اطلاق ہو سکتا ہے، لیکن عرفات العاشقین مین اس کی جو ایک اور غزل درج ہے اس کا رنگ ذرا کچھ مختلف ہے، اور اس پر ڈاکٹر اقبال حسین کی راے چسپان نہین ہو سکتی ہو،

اس مین عمید نے تجنیس لفظی کی صنعت کے ساتھ کچھ اس انداز مین اشعار کہنے کی کوشش کی ہے کہ بعض تو کامل کہی جا سکتی ہین، لیکن بعض ناقص ہین، مثلاً "دربار" کے ساتھ "بار" اور یکبار بلا اور "تار" ہو کے ساتھ "تارتار" تو صحیح ہین، لیکن خار کے ساتھ "لعبت فرخار" بازار کے ساتھ زار اور عیار نو کے ساتھ عیار یار ناقص ہین، اسی لئے حسب ذیل غزل مین وہ سلاست اور روانی، اور حلاوت نہین، جو مذکورۂ بالا غزل مین ہو،

گر نہی عقل را بر لب در بار بار بر دلم از غم منہ خیرہ بیک بار بار

تا گلِ رویت شگفت ہر نفس از رنگِ تو در جگر و دل شکست لعبتِ فرخار خار

در خم ہر تار مو زلف تو دارد شبے روز دلم کردہ چون شب ازان تار تار

دوش بیا زار عشق شد دلِ در ہر قدم کشتہ چشم تو دید بر سر بازار زار

حور من از خانگی حور و عیار نوست ہیچ کس را مباد ہم چو تو عیار یار

داری شفای بہ لب چون کرم خسروی یکنفس این خستہ را محرم این راز دار

آتشکدہ اور مجمع الفصحا[1] مین عمید کی ایک ہزل بھی درج ہے، جس کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسکو ہزل کہنے پر بھی قدرت تھی، عام ہجو گویون کی طرح اس کی حسب ذیل ہجو مین سب وشتم نہین، بلکہ صرف طنز اور تشنیع ہے، چھوٹی بحر مین زبان اور طرز بیان دونون بے تکلفانہ ہین،

[1] مجمع الفصحا ص

گشت مشغول ولیکن بشکم

خواجہ بغزو ولیکن بدرم — نانم آورد ولیکن بدرم

میزبان بود ولیکن برباط — دل تہی کرد ولیکن زکرم

سر برآورد ولیکن بفضول — بس جواد است ولیکن بجرم

بس حریص است ولیکن بحرام — لب فرو بست ولیکن زکرم

درش بکشاد ولیکن از بخل — خواجہ مشغول ولیکن بشکم

خواجہ رنجور ولیکن بفجور — نعمتش باد ولیکن شدہ کم

دولتش باد ولیکن نہ براہ — سالہا باد ولیکن بستم

جاودان باد ولیکن بسفر

آتشکدہ کے مؤلف کو یہ ہزل پسند آئی ہے، اس نے اس کو اپنے تذکرہ مین نقل کیا ہے، اور نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے :-

"این چند بیت از قطعہ کہ در ہزل گفتہ نوشتہ شد از دست بذگفتہ"

عمید نے جس طرح انوری کے بعض قصائد کے طرز پر کچھ قصیدے کہے ہین، اسی طرح اسدی طوسی کے رنگ مین منظوم مناظرات لکھ کر اپنی قادر الکلامی اور سخنوری کا سکہ جمایا ہے، ڈاکٹر اقبال حسین نے لکھا ہے کہ ہندوستان مین منظوم مناظرہ لکھنے مین اولیت کا شرف عمید ہی کو حاصل ہے، خلاصۃ الاشعار مین سیف و قلم کا مناظرہ منقول ہے، عرفات العاشقین مین "بنگ و شراب" کا مناظرہ درج ہے، اور یہی زیادہ مقبول ہوا، روز روشن مین بھی یہ نقل کیا گیا ہے، ہم بھی اس کو ناظرین کی ضیافت کے لئے ان کی خدمت مین پیش کرتے ہین؛

دی در میان بادۂ صافی مزاج و بنگ — در مصدر[1] دماغ من افتاد شور و جنگ

[1] روز روشن "مصعد"۔

بکشادے زبان کہ منم دختر عنب — صافی تن و نشاط فزائے[1] عقیق رنگ

تا من سر از دریچۂ خم بر نمی کشم — نانست خون[2] گرفتہ و خون خشک رو چنگ

گر در دہان زنگ زمن قطرہ چکد — بر روے شیر رنگ[3] تفاوت کند زرنگ

ور موشکی[4] ضعیف زمن جرعۂ چشد — نشگفت اگر نہ پنجہ خراشد رخ پلنگ

ممسک[5] زمن براگہ گر نفس زند — بخشد گہر بدامن و لولو بسنگ و سنگ

خاصیت[6] من ین دتوائے بنگ خشک مغز — از کر خواص خویش بن گوے بید رنگ

بنگ سبک سر از سر حدت[7] زبان کشاد — کاے نزد غفلت تو یکے شکر و شرنگ

من صوفیم[8] ز خانقہ کیمیاے عقل — بردامنم زنند حکیمان لطبیع چنگ

وز قوت[9] تخیل من مرزبان کنند — سحر حلال در صفت نو خطان شنگ

از تو یکے پیالہ و صد محنت خمار — از من طلب علاج دل ناتوان و ننگ

لا تقربوا الصلوٰۃ بر اوراق نقش ہست — ام الخبائث ہر آئینہ از تو زنگ

گفت[10] منکر آیۂ بنصوص نیستی — نام تو بر صحیفہ نیاید و زیر سنگ

من[11] در دہان شیر در آیم صبا صفت — تو بر کنی زر و بہک سست پاے لنگ

وانکہ[12] بہ بحر خرمیم غوطہ خورد — اندوہ عمر ہا نہد اندر دم نہنگ

من لعل با طراوت و تو سبزہ بے نمک[13] — نالم شراب صافی و نام تو خشک بنگ

[1] روز روشن نشاط فزا [2] روز روشن دم گرفتہ [3] روز روشن "شیرزہ" [4] و [5] یہ اشعار روز روشن مین نہین ہین [6] یہ مصرع روز روشن مین اس طرح ہے، ع گر باور تو نیست پس اے بنگ خشک مغز [7] روز روشن دخشت، [8] و [9] یہ دونون اشعار روز روشن مین نہیں ہین [10] روز روشن ع دادش جواب مے کہ تو منصوص نیستی [11] و [12] روز روشن مین نہین ہین [13] عرفات العاشقین سبزے بے نمک،

بنگش بخشم گفت چہ لائیم ہمہ گر | در دازضرب شرع نداریم بردو سنگ
باشد کہ این بساط مقالات بگستریم | در مجلس پہلکش مشہور روم و زنگ
نرزانہ تاج دولت بو بکر بن ایاز | آن کو دو قلب پر دراز خم یک خدنگ

پورا مناظرہ شستہ اور شگفتہ زبان مین لکھا گیا ہے، ڈاکٹر اقبال حسین کی رائے ہے کہ ہندوستان مین اس نظم کا جواب نہ ہوسکا، یہ اگر اسدی کے مناظرات سے برتر نہین ہیں تو کم تر بھی نہین،

عمید سے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہی اس سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ اپنے زمانہ مین فارسی زبان کا ایک جلیل القدر، فصیح البیان اور قادر الکلام شاعر تھا، لیکن وہ اتنا مشہور نہین ہوا جتنا کہ وہ مستحق تھا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی کی زندگی مین خسرو کی شاعری کا نیر اعظم بلند ہو رہا تھا، اور جب وہ نصف النہار کو پہنچا تو عمید بھی اور شاعرون کی طرح ماند پڑ گیا، اور افسوس ہی کہ اس کا کلام زمانہ کے دست برد کی نذر ہو گیا، ملا عبد القادر بدایونی ہی کے وقت مین اس کا کلام عزیز الوجود ہو گیا تھا، لیکن ملا صاحب نے از راہ علم نوازی اس کے بہت سے قصائد اپنی تاریخ مین جمع کر دیئے ہین، اور کلام کے کچھ نمونے عرفات العاشقین، خلاصۃ الاشعار اور مجمع الفصحا رمین محفوظ ہین، اور یہی اس شاعری کی کل کائنات رہ گئی ہے، پھر بھی جو کچھ باقی ہین، اس کو ایک باکمال اور مایۂ ناز اہل فن ظاہر کرنے کے لئے کافی ہین،

مقالات شبلی حصہ ششم

اُن تاریخی مضامین کا مجموعہ، جو مولانا مرحوم نے اہم تاریخی مباحث پر لکھے، اور جن کو رسائل شبلی سے یکجا کیا گیا ہے، قیمت :- ہے ؍ (زیر طبع)

"منیجر"

مسلمانون کا اندلس

خود

مسلمانون کی نگاہ مین

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

"مشہور اندلسی کہئے، یا یورپ مین صوفی شیخ محی الدین بن عربی پڑھے لکھے مسلمانون مین تعارف کے محتاج نہین ہین، کافی سرگرانیون کے باوجود اُن کے مخالفین بھی شیخ کی علمی وسعت نظر کی وقت کے بہر حال معترف ہین،

ہمارے مخدوم و محترم مولینا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی ناظم علمی دار المصنفین (اعظم گڑھ) و مدیر معارف کا اصرار ہو کہ شیخ ابن عربی کے متعلق معارف مین مقالات کا سلسلہ خاکسار شروع کرے، اپنے اصرار کو تیز سے تیز تر کرتے ہوئے آخر مین تو شاہ صاحب نے یہان تک ارقام فرمایا کہ تو نے لکھا تو لکھا ورنہ پھر کوئی دوسرا اس موضوع پر لکھنے والا نظر نہین آتا" ایک حوصلہ افزا حسن ظن کے سوا ظاہر ہو کہ اس کو اور کیا قرار دیا جا سکتا ہے، فوق کل ذی علم علیم کی قرآنی حقیقت کا اقتضا بھی یہی ہے، اور سچی بات بھی یہی ہو کہ لکھنا چاہین تو اب بھی اس فقیر سے کہین بہتر طریقہ سے اس مضمون کو مرتب کر کے پیش کرنے والے پیش کر سکتے ہین، مگر ایک صابری چشتی "فقیر کے لئے یہ بھی تو آسان نہ تھا کہ اپنے مخدوم ہی نہین، بلکہ جو جانتے ہین کہ ہندوستان کے طریقۂ چشتیہ صابریہ کے ایک رکن رکین صاحب رودولی شریف سیدنا شیخ احمد عبد الحق قدس اللہ سرہ العزیز

لہ حضرت مولانا نے اس حقیر کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہو وہ محض اُن کی خورد نوازی اور اُن کے حُسن خلق و شرافت کا نتیجہ ہے جس کا یہ ننگ اسلاف مستحق نہین، مگر اُن کی تحریر مین تصرف کی جرأت بھی نہین تھی، اس نے ایک برگزیدہ عالم دین آل رسول کے ان کلمات خیر کو اس کے ایک خادم کے حق مین دعا اور باعث خیر و برکت سمجھکر بعینہٖ شائع کر دیا گیا، "م"

بھی ہین، اور ہمارے شاہ معین الدین صاحب کو اسی استانہ دو دلی شریف کی صاحبزادگی کا بجا فخر حاصل ہے،
اس کاظ سے مخدوم ہونے کے ساتھ ہی وہ ہمارے مخدوم زادے بھی ہین، اپنے مخدوم اور اپنے مخدوم زادے کے
حکم سے سرتابی کی کوئی شکل نظر نہ آئی، اللہ کے نام سے قلم کو ہاتھ مین لیتا ہون، شاید بزرگون کی روحانیت
سے تائید کی راہ میری بہی نیت مجھ پر کھولدے وَاللہُ وَلِیُّ الْاَمْرِ وَالتَّوفیق شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق
کچھ عرض کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوا کہ ان کے مولد و منشاء اندلس کی تاریخ کا وہ رُخ پیش کردیا جائے،
جس سے میرا خیال بھی ہو کہ شیخ اور شیخ کے خصوصیات کے سمجھنے مین کافی مدد پڑھنے والون کو انشاء اللہ
ملے گی، اسی لئے پہلا مقالہ "اندلس" پر لکھ کر حاضر کیا جاتا ہے، والامر بید ہٖ سبحانہ تعالیٰ،

"مناظر احسن گیلانی"

واقعہ یہ ہو کہ ایک اندلس اور ہسپانیہ تو وہ ہے، جس سے دلچسپی ہی نہین، بلکہ شاید عشق کی کیفیت مسلمانون کے
قلوب مین انیسوین صدی سے یورپ کے مورخون، اخبارئیون، صحافیون اور ان کے قصاصون افسانہ نگارون کی بے
اس زمانے کے بعد پیدا کرنا شروع کیا، جب مشرق پر اپنے تسلط کے چنگلون کو مغرب پوری قوت کے ساتھ
جما چکا تھا، گویا یہ ایک دستور بنالیا گیا ہے، کہ پہلے اندلس مین مسلمانون کے جبروت و جلال عروج اقبال کی
قصیدہ خوانی اتنے دل آویز میٹھے سرون مین کرنے والے کرتے ہین، اور ان قصون کو اس بلند آہنگیون کے ساتھ
سناتے ہین کہ سننے والون پر ایک قسم کی محویت کا عالم طاری ہو جاتا ہے، ان ہی ذرائع سے مسلمانون کے دلون مین
اندلس کے عشق کی ایسی آگ بھڑکا دی گئی ہے، کہ شاید گلبرگہ، بیجاپور، احمد نگر، گولکنڈہ، جونپور، احمد آباد،
برہان پور، شادی آباد، مانڈو وغیرہ ہندوستان کے مقامی عاصمات (کیپٹلس) ہی نہین، بلکہ اندلس کے قرطبہ
و غرناطہ کے مقابلہ مین، دمشق و بغداد، فسطاط، شیراز، رَے اور نیشاپور، غزنی، دلی، آگرہ، قاہرہ، مراکش
و فاس، تیونس، اصفہان، و اسلامبول تک کے تاریخی ارتسامات تک اندلس کے عشق کی اس آگ مین ڈہ ہو
کر کہین جل کر بھسم نہ ہو جائین، اسپین کے قصر الحمرا اور الزہرا کی یاد ہمارے دلون مین جو ہوک یا ٹیس پیدا

کرتی ہو، شاید، لال قلعہ اور تاج محل کے الفاظ مین بھی یہ اثر ہم اپنے اندر نہین پاتے، خصوصًا مسلمانون کا طبقہ
"منورہ" جو سب کچھ یورپ ہی کی آنکھون سے دیکھنے، اور ان ہی کے کانون سے سننے کا عادی بنایا جا چکا ہے،
اس کا حال تو اس باب مین قابلِ رحم حد تک پہنچ چکا ہے، خلش تپش، قلق اور سوز کی جو کیفیتین اندلس کے ذکر سے
اُن کے اندر پیدا ہوتی ہین، ان کا اندازہ کچھ مشاہدہ ہی سے ہو سکتا ہے، میرے ایک مرحوم کرمفرما بزرگ[1]
نے تو اپنی ساری عمر ہی اس علمی مہم کے سر کرنے مین صرف فرمادی کہ اندلس کا صحیح جغرافیہ کیا ہے، اس ملک کے شہرون
قصبون، بلکہ دیہاتون، دریاؤن، ندیون، نالون، پہاڑون کے نام مسلمانون کے عہد مین کیا تھے، ان نامون
کو کس طرح بگاڑا گیا ہے، یا بدلا گیا ہے، وہ صبح و شام اسی گورکھ دھندے مین بسر فرماتے تھے، اُن کا خیال
شاید یہ تھا کہ اسلام کا نہسی لیکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کا ایک قومی اور ملی فرض ہے، جسے وہ ادا کر رہے ہین
پہلے ایک طرف عشق کا الاؤ جوڑا جاتا ہے، اس کے بعد پھر یورپ کے ہی اخبار ئیے، اور صحافیے، کہانیان
سنانے والے مختلف بھیسون مین آتے ہین، اور جب مسلمانون کو اندلس سے نکالا گیا، اور اس ملک کو اُن کے وجود
سے جب خالی کیا گیا، اس وقت وہی رو رو کر بین اور نوحہ کرتے تھے، اور نکالنے والون کو برا بھلا کہتے ہوئے اسی داستانون
کا ایک سلسلہ مرثیہ کے رنگ مین سناتے ہین، کاٹے گئے، مارے گئے، زندہ جلا دئیے گئے، سمندر مین ڈبو دئیے گئے،
اور ان مسلمانون کی لاکھون لاکھ کی تعداد بتائی جاتی ہے، جن کے ساتھ ان ہی مرثیہ خوانون کے بھائی بندون نے
ان ہی کے قول کے مطابق وہ سب کچھ کیا، جس کی توقع شاید جنگل کے خونخوار درندون سے بھی نہین کی جا سکتی خوفناک
حزن انگیز بھیانک لہجون مین مسلمانون کی بربادیون کا افسانہ بھی سنایا جاتا ہے، پھر اُن کے محل سراؤن پر مسجدون
پر، کتب خانون پر جو کچھ گذری، اعداد و شمار کے طویل طویل ہندسون کے ساتھ اُن کی روداد بھی پیش کی جاتی ہو، یہ نہین
کہا جا سکتا کہ یہ سارے معلومات اپنے پوری ہندسی تفصیلات کے ساتھ کن ماخذون سے، حاصل کئے گئے ہین، اور ان

---

[1] معارف:- یہ مولوی عنایت اللہ صاحب مرحوم سابق ناظم دار الترجمہ حیدرآباد، اور انکی کتاب جغرافیہ اندلس کی طرف اشارہ ہے،

مسلمانون کو اور ان کی کتابون کو کون گن رہا تھا جب ان کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا اپنا حال تو یہ ہو کہ مغربی ذرائع سے پھیلائے ہوئے ان معلومات کو کتابون مین جب کبھی مین نے پڑھا، یا سنانے والون سے سنا، تو بے ساختہ حافظ کا یہ شعر یاد آگیا کہ

آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب
کشتۂ غمزۂ خود را بنماز آمدہ

حیرت اس پر ہوتی ہے کہ اپنے اعمال و کردار کے بدترین پہلوؤن پر غلاف ودزی کی شاطرانہ مہارت رکھتے ہوئے بھی یہی یورپ کے مورخین اپنی قوم کا سارا کچا چٹھا مسلمانون کو پڑھ پڑھ کر اپنی عام روش اور عادت کے برعکس کیون سناتے رہتے ہین، خدا ہی جانتا ہے کہ اندلس کے معاملہ مین اتنی صاف گوئی اور اتنے کھلے لفظون مین اپنے جرم کا اعتراف جو کیا جاتا ہے، اس کے واقعی اسباب وجوہ کیا ہین اور سنانے والون کی اندرونی نیت کیا ہے، دل کا حال تو خدا ہی جانتا ہے، لیکن جہان تک دیکھنے مین آتا ہے، اس کا اثر اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، مگر ہر مسلمان جو آسمان کے نیچے زمین کے کسی حصہ پر کھڑا ہوا ہے، اس کے لئے "اندلس" کا لفظ انیسوین صدی سے ایک مستقل ہول دل یا "ہوا" بن کر رہ گیا ہے، گویا اندلس کا لفظ لفظ نہین ایک مضراب ہے جس کی چوٹ پڑتے ہی مسلمانون کے اعصابی نظام مین لرزہ برپا ہو جاتا ہے، ہوش و حواس گم ہو جاتے ہین، سارے دماغی مخزونات اسی ایک ضرب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون کے حافظون سے نکل نکل کر بہہ چلے جاتے ہین، ان کو کچھ یاد نہین آتا کہ آخر ابھی کی تاریخ مین تو "بدر" کے ساتھ "احد" "فتح مکہ" کے ساتھ "یوم حنین و اوطاس" "یرموک" کے ساتھ "عمواس"[1] "میدان قادسیہ" کے قریب "وادی کربلا" وغیرہ کے حوادث مسلسل یکے بعد دیگرے گذرتے رہے ہین، خود ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دنیا مین تشریف فرما ہی اس شان کے ساتھ ہوئے تھے کہ آپ کے پاس کچھ نہ تھا، پدری شفقتون کا سایہ پیدا ہونے سے پہلے ہی سر مبارک سے اٹھ چکا تھا، ماں کی ممتا سے بھی استفادہ کا موقع جیسا کہ چاہئے، میسر نہ آیا، دادا کی سرپرستی کا نقشہ بھی شروع ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا، آٹھ سال کی عمر سے پچیس سال کی عمر تک کا زمانہ

[1] حاشیہ دیکھو ص ۳۵۴ پر

جو سیکھنے سکھانے کا ہوتا ہے، بکریون، بھیڑون، اونٹون کی رفاقت مین گذرا، نبوت کے ۲۳ سال کا بھی بڑا حصہ تقریباً تیرہ سال اسی مکہ مین بسر ہوئے، جہان مسلمانون کا نہین، بلکہ مسلمانون کے بدترین دشمنون کا سیاسی اقتدار قائم تھا، اور باقی دس سال مدینہ منورہ کے، سو وہ بھی اس حال مین گذرے کہ مٹھی بھر مسلمانون کو سارا جاہلی عرب ایک کمان بن کر اپنا ہدف بنائے ہوئے تھا، یہ کمان ابھی پورے طور پر اتری بھی نہ تھی کہ مدینہ کے یہ دس سال بھی اس طور پر ختم ہو گئے کہ اس زمانہ کی روئے زمین کی سب سے بڑی مرکزی قوتین رومن امپائر اور پرشین امپائر چارون طرف سے مسلمانون کو اپنے گھیرے مین لے کر دھمکا رہی تھین، اور یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ عرب ہی کے صحرا مین ان مسلمانون کا سر کچل کر رکھ دیا جائے، یہ وہ تاریخی واقعات ہین جن کا ظہور قرآنی دعوون کے عملی تجربے کے لئے ہوا تھا، اور ہوتا رہتا ہے، مگر اندلس کے لفظ کا جادو یہ سوچنے کی گنجائش بھی مسلمانون کے دل و دماغ مین باقی نہین چھوڑتا کہ آخر ان قرآنی حقائق کا انکار کیا ہے، کچھ نہین، تو قرآن کی آیات "لہ الملک" "لہ ملک السموات والارض" "بیدہ ملکوت کل شیء" وغیرہ مین بیسیون پیرایہ مین اسی حقیقت کو واشگاف کیا گیا ہے کہ آسمان ہو، یا زمین کا کوئی حصہ یا خطہ، کسی مین خدا کے راج کے سوا نہ پہلے کبھی کسی کی حکومت قائم ہوئی، اور نہ آیندہ کسی زمانہ مین قائم ہو سکتی تھی، قطعاً غیر مشتبہ الفاظ مین اس دینی عقیدے پر مسلمانون کو اصرار کرنے پر حکم دیا گیا ہے کہ

لم یکن لہ شریک فی الملک — "خدا کے راج مین اس کا کوئی ساجھی دار شریک نہین ہے"

مگر واہ رے "اندلس" کا لفظ کہ جیسے ڈائنامیٹ چیزون کو اڑا دیتا ہے، ٹھیک اسی طرح اس کے نام سے مسلمانون کے دماغ سے بہت کچھ اڑ جاتا ہے، خواہ وہ قرآن کے بینات و محکمات ہی کیون نہ ہون، خدا کے حقیقی صفات سات یا آٹھ ہین، جو ذات حق کے عین ہین یا غیر، یا نہ عین ہین، یا نہ غیر، ان مسائل کے کسی ایک پہلو کو متعین کر کے اپنی دینی عقیدون پر جمنے والی یہ قوم "اندلس" کے لفظ کو سن کر قرآن کی ایسی آیتون کو بھی

بھول جاتی ہے، جن کے متعلق نہ سلف ہی مین کسی قسم کا اختلاف پیدا ہوا، اور نہ خلف مین ایک پہلو کے سوا آج تک کسی دوسرے پہلو کی ان آیتون کی تفسیر و تشریح مین کوئی گنجایش ہی پیدا نہ ہوئی، حالانکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے کم از کم قرآن کے ان "بینات" کی روشنی مین حقیقت اور واقعہ کی جو نوعیت متعین ہوتی ہے، اس کی لاج تو رکھنی ہی چاہئے تھی، سمجھ مین نہین آتا کہ قرآن کی ایسی روشن حقیقتون سے بھی بے اعتنائی کے بعد ہم مسلمان بھی باقی رہتے ہین یا نہین، یہ نہ تو فقہ کا کوئی قیاسی مسئلہ تھا، نہ کسی ایسی حدیث کا یہ مفاد ہے جس کی سند کے راویون پر تنقید کا امکان ہے،

بہرحال "اندلس" سے مسلمانون کا ناپید ہوجانا، تو ایک واقعہ ہے، لیکن یہ واقعہ کس طرح پیش آیا جن حوادث و فاجعات اور ان کے طلسمی اعداد و شمار کے بھالون برچھون تیرون اور تلوارون سے سج سجا کر پیش کرنے والے اس واقعہ کو مسلمانون کے آگے پیش کرتے رہتے ہین کہ آج اُن کی بدولت "اندلس" کا لفظ ہم مسلمانون کے لئے ہوا بنا ہوا ہے، سننے کے ساتھ ہی معلوم ہوتا ہے، کہ اپنی تمام وسعتون کے باوجود خدا کی زمین ہم پر تنگ ہوگئی، ہم اس کے متعلق غالب کی زبان مین اگرچہ یہ پوچھنے کا بجا حق رکھتے ہین، کہ

ع آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

لیکن سوال و جواب کے اس قصہ کو مختصر کرتے ہوئے اس وقت ہم آپ کے علم مین صرف مسلمانون کے ان معلومات اور احساسات کو لانا چاہتے ہین، جو خود ان ہی کی کتابون مین اس اندلس کے متعلق پائے جاتے ہین جس مین وہ کچھ دن رہے، اور اب جہان اسلام کا کوئی نام لیوا نہین پایا جاتا، ان کی روشنی مین آپ صحیح طور پر تاریخ ابن عربی کے اندلس کو بھی سمجھ سکتے ہین،

(حاشیہ ص ۳۵۳) [1] عمواس شام کی ایک وادی کا نام ہے، جہان پچیس ہزار مسلمان جن مین صحابۂ کرام کی بھی کافی تعداد تھی، طاعون مین شہید ہوگئے کہتے ہین کہ نصف دنیا کی فتح کرنے کے لئے یہ پچیس ہزار مسلمان فوجی کافی تھے، باقی ناموں سے لوگ عام طور پر واقف ہین، یا کتابون مین ان واقعات کی تفصیل پڑھنی چاہئے،

اس مین شک نہین کہ کسی ملک مین آباد ہونے کے بعد وہان سے کلیۃً اس طرح مسلمانون کا ناپید ہوجانا جو صورت حال اندلس مین پیش آئی، مسلمانون کی ملی تاریخ کے لحاظ سے بجائے خود ایک عجیب غریب واقعہ ہے، کیونکہ ایشیا و افریقہ کی وسیع سرزمین کا شاید ہی کوئی ایسا بدقسمت حصہ ہوگا جہان مسلمان آباد نہ ہوئے ہون، اور آج تک کسی حال مین موجود نہ ہون، وہ اپنے ان ہی آبائی اوطان مین اچھے، برے ہر حال مین جیسا کہ دنیا کا قاعدہ ہے، پڑے رہے اور آج تک پڑے ہوئے ہین، وطن بنا لینے کے بعد ان ملکون مین ان کو بھی وقتاً فوقتاً کبھی خشک سالیون سے بھی دوچار ہونا اور امنی زندگی کے ساتھ ساتھ فراج اور بے امنی کے حالات کے بھی شکار ہونا پڑا، جہان حاکمیت کے لطف اٹھانے کا موقع ملا، وہان حاکم بن کر بھی رہے، اور محکوم بننے پر جہان مجبور ہونا پڑا، وہان محکومیت کی زندگی پر بھی صبر کئے بیٹھے رہے، ایسے ممالک بھی ہین، جہان حکومت کی باگ مسلمانون کے ہاتھون مین کبھی نہین آئی، مگر آج تک وہان وہ آباد ہین، اور اسی کو اپنا وطن سمجھتے ہین، اور شاید کبھی ہلکا سا خطرہ بھی ان علاقون سے نکل جانے کا اُن کے دلون مین پیدا نہین ہوا، لیکن ایک یہی بدبخت اندلس اور اسی کے ملحقہ چند بدنصیب یورپین جزائر ہین، جہان سے وہ آباد ہونے کے بعد ناپید ہوگئے، یہ عجیب و غریب اتفاقی اور استثنائی صورت جو مسلمانون کے ملی مزاج سے کوئی مناسبت نہین رکھتی، کیون اور کیسے پیش آئی؟

مغربی مورخین اس سوال کے جواب مین جو کچھ بھی فرماتے ہون لیکن مسلمانون کی تاریخ سے مجھ پر جو کچھ واضح ہوا ہے، وہ یہی ہے، کہ فتح کرنے کی حد تک تو پہلی صدی ہجری ہی مین اندلس کو مسلمانون نے فتح کرلیا تھا، ولید بن عبدالملک مروانی حکومت کے دوسرے حکمران کا عہد تھا، اتفاق کی بات کہ ولید بھی فتح اندلس کے بعد مر گیا، اور ولید کی جگہ سلیمان بن عبدالملک گدی پر بیٹھا، سات سال بھی گذرے نہ تھے کہ مرکزی حکومت کے دو[2] دو فرمانرواؤن کی مسلسل موت کی وجہ سے افراتفری کی حالت قدرۃً کچھ ایسی پیدا ہوئی، اور ایسا انتشار حکومت مین رونما ہوا کہ اندلس جیسے دور دست علاقہ کے تفصیلی حالات سے واقفیت کا موقع جیسا کہ چاہئے نہ مل سکا، فوجی حکام کسی نہ کسی طرح اس ملک پر قبضہ جمائے بیٹھے رہے، سلیمان کے بعد جب بقیۃ الخلفاء الراشدین

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سریر آرائے حکومت ہوئے، تو یہ پہلا موقع تھا کہ "اندلس" کے خصوصیات و حالات سے آگاہ ہونے کے لئے اطمینانی وقت ملا، تاریخ کی یہ شہادت ہو کہ اس نئے مفتوحہ علاقہ سے صحیح واقفیت کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جو فیصلہ کیا تھا، وہ کامل ابن اثیر مین بایں الفاظ منقول ہے،

کان رأیه اقفال اهلها منها، — عمر بن عبدالعزیز کی رائے تھی کہ اندلس سے مسلمانون کو واپس بلا لیا جائے، (ص ۸۲ جلد ۵)

یہ رائے صرف رائے ہی کی حد تک محدود ہو کر نہ رہ گئی تھی، بلکہ آگے اسی کتاب مین یہ بھی ہو کہ

وکان قد بدء العمر فی نقل اهلها عنها، — عمر بن عبدالعزیزؓ ہی کے زمانہ مین مسلمانون کی اندلس سے واپسی کا سلسلہ شروع بھی ہو گیا تھا، (ص رر)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سات سو سال بعد اندلس مین جو صورت پیش آئی، خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؓ کے روشن ضمیر پر اس کا انکشاف فتح اندلس کے سات سال بعد ہی ہو چکا تھا، اور یہ کوئی ایسا واقعہ نہ تھا، جو اتفاقاً پیش آگیا تھا، بلکہ عمری بصیرت جس کا اندازہ شروع ہی مین لگا چکی تھی، توقع کے مطابق وہی واقعہ بن کر سامنے آیا، اور سچ تو یہ ہو کہ کہنے کی حد تک اندلس کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے اور جو کچھ کہا جاتا ہے، قطعاً بے بنیاد بھی نہین ہے، جسے ہم آیندہ بیان کرین گے، لیکن علاوہ دوسرے اسباب و وجوہ کے ایک سبب یہ بھی تھا کہ انتہائی اقبال و عروج کے زمانہ مین "اندلس" کی خراجی آمدنی خود اسی ملک کے مورخ ابن خلدون کے بیان کے مطابق اسی قدر تھی جس قدر آمدنی عباسیون کو بن کھیتی والے بیابان یعنی حجاز سے ہوتی تھی، ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مشہور مقدمہ مین عباسیون کے زرخیز و سیر حاصل صوبون کی آمدنیون کو سرکاری کاغذات کے حوالے سے درج کرتے ہوئے حجاز کی آمدنی کے بارہ مین لکھا ہو،

الحجاز ثلاثة آلاف الف دینار (مقدمہ ص ۱۵۱) — حجاز کی آمدنی تین کرور دینار تھی،

آگے بیان کیا ہے کہ اس آمدنی کا ایک ثلث یا تہائی حصہ تو فوج پر صرف ہوتا تھا، ایک ثلث حکومت کے مصارف کے لئے مختص تھا، تیسرے ثلث کو اتفاقی حوادث و نوائب کے لئے محفوظ کر دیا جاتا تھا،

مجھے خرچ سے بحث نہین بلکہ کہنا یہ چاہتا ہون کہ خود اندلس مین مستقل حکومت قائم کر لینے کے بعد جیسا کہ کتابون سے معلوم بھی ہوتا ہے، اس ملک کو آباد اور زرخیز بنانے کے لئے حکومت نے بھی اور عام آبادکار مسلمانون نے بھی کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا تھا، مگر ان بلیغ کوششون اور غیر معمولی محنت و سعی کے باوجود اندلس کی خراجی آمدنی حجاز جیسے خشک کوہستانی علاقہ کی آمدنی سے بھی آگے نہ بڑھ سکی، تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے جس زمانہ مین مسلمانون کی اس ملک کی واپسی کا فیصلہ کیا تھا، اس وقت اس کی آمدنی اس سے بھی بہت کم رہی ہو گی، یہ صحیح ہو کہ اندلس کے جو حالات ہمین سنائے گئے ہین، اور وہان کے حجازی امیرون کے جن دربارون کا افسانہ آج زبان زد عام ہے، بلکہ اب بھی اس ملک مین اندلس کے مسلمانون کے بچے کھچے جو آثار باقی رہ گئے ہین، اُن کو پیش نظر رکھتے ہوئے اندلس کی آمدنی کا یہ حجازی بجٹ (ثلثمایة الف دینار) کچھ عجیب غریب سا معلوم ہوتا ہے، لیکن جنھون نے صحیح معنون مین اندلس کے جغرافیہ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہین کہ زیادہ حصہ اس ملک کا کوہستانون اور سنگلاخ پتھریلی زمینون سے بھرا ہوا ہے، مسلمانون کو اس ملک مین زراعت اور باغبانی وغیرہ کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت اسی لئے ہوئی تھی کہ قدرتی طور پر اس ملک کی آراضی مین پیداوار کی بہت کم صلاحیت تھی، اگر مصنوعی ذرائع سے کام نہ لیا جاتا تو مسلمانون کے لئے اس ملک مین زندگی گذارنی مشکل ہو جاتی،

موسم کے لحاظ سے اندلس کی حالت اگرچہ وہی ہی، جو اس کے آس پاس کے دوسرے یورپین ممالک کی ہے، تاہم ہوا کے متعلق تو مین نہین کہہ سکتا، لیکن آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے ہمارے مورخین یہ لکھتے ہین کہ پایۂ تخت قرطبہ مین بھی آب شیرین میسر نہ آتا تھا، اور فتح اندلس پر ایک صدی سے زیادہ مدت گذرنے کے بعد بنی امیہ کے حکمرانون

---

۵۱ حجاز کی خراجی آمدنی مین غالب قرینہ ہے کہ عرب کے دوسرے علاقے مثلاً یمن، نجد، بحرین، عمان کی آمدنی بھی اسی قسم مین شریک ہوگی،

یمن سے عبدالرحمن اوسط

اجلب الماء العذب الی قرطبۃ وادخلہ الیھا، — قرطبہ تک شیرین پانی کھینچ کرلایا، (کامل ابن اثیر ج، ص ۲۲)

اور جب دار السلطنت تک مین پانی کی یہ کیفیت تھی، تو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دوسرے شہرون کا اس باب مین کیا حال ہوگا،

کچھ اسی قسم کے اسباب تھے جن کا نتیجہ تھا کہ رہنے کی حد تک تو مسلمان اندلس مین مقیم ضرور ہوگئے تھے، لیکن ان کا دل اس ملک مین شاید کبھی نہین لگا، اور تو اور بنی امیہ کے پہلے اندلسی حکمران عبدالرحمن الداخل تک کے متعلق جو خدا ہی جانتا ہے مصائب وآلام کی کتنی کڑیون کو جھیلتے ہوئے اندلس پہنچ کر اس ملک کا فرمان روا بن چکا تھا، تاریخون مین یہ لطیفہ نقل کیا جاتا ہے کہ زمین کے کسی خاص حصہ کو گھیر کر الرصافہ کے نام سے موسوم کیا تھا، خلاف توقع اسی احاطہ مین اتفاقاً کھجور کا ایک پودا دکھا گیا، عبدالرحمن اس پودے کو دیکھ کر بے قرار ہوگیا،

ایک نظم ہی عبدالرحمن کی طرف منسوب کرکے کتابون مین نقل کی گئی ہے، کھجور کے اس اکیلے پودے کو دیکھ کر اس کے دل مین جو جذبات پیدا ہوئے تھے، وہ یہ تھے،

"اے کھجور کے پودے تو بھی اپنے نخلستانی وطن سے اسی طرح جلاوطن ہوا، جیسے اندلس کی سرزمین مین جلاوطن ہوکر مین پہنچا ہون، جلاوطنی اور بال بچون سے جدائی مین ہم دونون ایک دوسرے کے رفیق وشبیہ ہین"

۲۷ ۱۰/۵۳

اور عبدالرحمن بے چارے کے لئے تو دہی اندلس اجنبی ملک تھا، مصر کی بادشاہی کے تخت پر بھی اگر یوسف کو کنعان کے

لہ کامل مین ابن اثیر نے پوری نظم نقل کی ہے، جس مین ایک شعر یہ بھی تھا،

تقلت شبیھی فی التغرب والنوی — وطول التنائی عن بنی وعن اھلی

(جلد ۶ ص ۳۷)

گذرے دن یاد آتے ہون، تو اس پر چندان حیرت نہین ہونی چاہئے، تعجب تو اس بات پر ہوتا ہے کہ پانچوین صدی ہجری کے مشہور اندلسی محدث ومتکلم علامہ ابن حزم جن کی خدا جانے کتنی پشتین اندلس مین گذر چکی تھین، اور جن کا خاندان وزارت سے تعلق تھا، اور جنھون نے مشرق یا مشرق کے کسی شہر یا مقام کو کبھی نہین دیکھا تھا، اپنی ایک نظم مین جن خیالات کا اظہار اندلس کے متعلق کیا ہے، اس کا پتہ اُن کے اس شعر سے چلتا ہے کہ

انا الشمس فی جو العلوم منیرۃ — ولکن عیبی ان مطلعی الغرب

یعنی علمی حلقہ کا اگرچہ مین آفتاب ہون لیکن عیب میرا یہ ہے کہ (بجائے مشرق کے) مغرب کے افق سے مین طلوع ہوا،

گویا اندلس مین پیدا ہونے ہی کو اپنی بدقسمتی خیال کرتے تھے، اس نظم مین تمنا بھی کی ہے کہ

ولو اننی من جانب الشرق طالع

یعنی کاش! مشرق کے افق سے مین طلوع ہوتا،

ان کی پوری نظم معجب مین مراکشی نے نقل کی ہے،

اندلس مین مسلمانون کی تاریخ کی ابتدا اور انتہا کی ان دونون شہادتون کی روشنی مین اس کے سوا اور کیا سمجھ مین آتا ہے کہ اندلس سے دلی لگاؤ کسی زمانہ مین بھی مسلمانونکو پیدا نہ ہوا، حالانکہ اندلس کی قبضہ گیر فوج جو عموماً شام کی فوجی چھاؤنیون سے یہان آئی تھی، اُس کو مانوس بنانے کے لئے لکھا ہے کہ

"دمشق کے فوجیون کو بیرہ نامی مقام مین جگہ دی گئی، اور نام بیرہ کا دمشق رکھا گیا تھا، اسی طرح حمص کے فوجیون کو اشبیلیہ مین رہنے کا حکم دیا گیا، اور اشبیلیہ کا نام حمص ہی رکھ دیا گیا تھا، جہان مین قنسرین کی چھاؤنی کے لوگ چونکہ تھے، اس لئے اس کا نام قنسرین، اور اردن والے جہان رکھے گئے، اس کا نام اردن فلسطین والون کی جگہ جس کا نام شذونہ تھا، فلسطین ہی رکھ دیا گیا تھا، (کامل ابن اثیر ج ۵ ص ۱۰۳)

لیکن باوجود ان تدبیرون کے پانچوین صدی تک کا اندلسی مسلمان اسی آرزو مین تڑپتا رہا کہ کاش! مین مشرق کے افق سے طلوع ہوتا،

آخر یہ بھی تو سوچنے کی بات ہے کہ عباسیون نے اپنے کو بنی امیۂ دمشق کے سارے مقبوضات کا جائز وارث کو قرار دیتے ہوے، صرف ایک اندلس کو کیون چھوڑ دیا، اگر کشش کے اسباب اس ملک مین ہوتے تو عباسیون کی قوت قاہرہ کا مقابلہ اندلس کے بنی امیہ بھلا کیا کر سکتے تھے، جب دمشق کی حکومت ان کی ضرب کی تاب نہ لا سکی، بنی امیہ کا جو خانوادہ اندلس مین آکر پناہ گزین ہوگیا تھا خود اس کا خیال بھی اندلس کے متعلق بس اسی قدر تھا جس کا اندازہ اسی خاندان کے ایک رکن عبد الملک بن عمرو کے اس قول سے ہوتا ہے جو اس نے کیا تھا،

طردن من المشرق الی اقصی ھذا	ہم مشرق سے کھدیڑے گئے، اور اس دور
الصقع ونحسد علی لقمة تبقی الرمق	دراز علاقہ مین آکر ہم نے دم لیا ہے مگر لوگ
(کامل جلد ۵ ص۳)	اس لقمہ پر بھی ہم سے حسد کرتے ہین، جس سے
	صرف سدرمق کا کام لیا جا سکتا ہو،

لیکن یہ تو اندلس کا ایک رخ تھا، قطع نظر ان امور کے جن کے چرچون سے کانون کو بھر دیا گیا ہے، خود ہمارے مورخین کی کتابون مین بھی تو یہ سب کچھ لکھا ہوا ہے، اور تو اور وہی ابن خلدون جس نے اندلس کے خراج کی آمدنی اسی قدر بتائی ہے، جو حجاز کے صوبہ سے عباسیون کو وصول ہوتی تھی، یعنی وہی ستمائۃ الف دینار، ابن خلدون ہی نے اپنی تاریخ کے مقدمہ مین اس کی تصریح کرتے ہوئے کہ ثقات مورخین کی کتابون مین مین نے یہ پڑھا ہے بیان کیا ہے کہ بنی امیہ کے اندلسی حکمران عبد الرحمن الناصر کا جب انتقال ہوا تو

خلف فی بیوتہ اموال خمسة	تو خزانہ عامرہ مین عبد الرحمن نے اپنے بعد
آلاف الف الف دینار مکررة	پانچ ہزار ملین کی تین گنی مقدار دینار کی

ثلاث مرات یکون جملتھا بالقناطیر	چھوڑی تھی، قنطار کے حساب سے جو پانچ ہزار
خمسائة الف قنطار، (ص ۱۵۱)	قنطار کے قریب رقم ہوتی ہے،

جس کا حاصل یہ ہو کہ پندرہ ہزار ملین دینار یا پونڈ[1] عبد الرحمن دولت چھوڑ کر مرا تھا، حالانکہ اسی عبد الرحمن الناصر کے مصارف کی تفصیل کرتے ہوئے مورخین لکھتے ہین کہ

اخترع قصورا ومتنزھات	بہت سے محلات، اور سیر گاہین، سڑکین
کثیرة وبنی الطرق وزاد فی الجامع	اس نے بنوائین اور قرطبہ کی جامع مسجد
بقرطبة رواقین .... وبنی	مین دو رواقون کا اضافہ کیا، اور ان کے
جوامع کثیرة ببلاد الاندلس،	سوا بھی اندلس کے علاقہ مین اس نے جامع
(ص ۲۲ جلد ۷)	مسجدین تعمیر کرائین،

ابن خلدون نے بھی اسی الناصر کے تذکرہ مین لکھا ہے کہ

"جیسے الناصر کے باپ اور دادا پردادا وغیرہ نے اندلس مین بڑی بڑی عمارتین بنوائین، قصور تعمیر کئے، جن مین "المجلس الزاھر" "البھو الکامل" "القصر المنیف" خاص طور پر مشہور ہین، اسی طرح الناصر نے المجلس الزاہر کے بازو مین ایک عالی شان ایوان جس کا نام دار الروضۃ رکھا تھا، تعمیر کیا، ان محل سراؤن تک پہاڑون سے پانی پہونچانے کا بندوبست کیا، اس نے بڑے بڑے انجینیر دنیا سے طلب کئے، اور بغداد سے اور قسطنطنیہ سے بھی لوگ آئے، اس نے بہترین سیر گاہین بنوائین، اسی نے "الزہرا" نامی شہر بھی بسایا، اور اسی کو اپنا پایہ تخت قرار دیا، جس مین بڑے بڑے ایوان، قصور، باغات، جو گذشتہ حکمرانون کے تعمیرات سے بڑھ چڑھ کر تھے

[1] نقرئی سکہ سے طلائی سکے کے اس ذخیرہ کو بدل دینے کے بعد حساب کر کے بعضون نے دعویٰ کیا ہو کہ کئی ارب روپے تک عبد الرحمن کا متروکہ پہنچ جاتا ہو، ۱۲،

تیار کرائے، ان مین اس نے جنگلی جانورون کے پالنے کے لئے بڑے بڑے وسیع علاقون کا

احاطہ کیا، طرح طرح پرندون کے لئے جالی دار پرندخانے بھی بنوائے گئے، (جلد ۲ ص ۴۴)

اس سلسلہ مین اگر کوئی لکھنا چاہے تو بہت کچھ لکھ سکتا ہے، لکھنے والون نے اس باب مین کوئی کوتاہی نہین کی ہے، ان ہی بیانات اور اس ملک کی ان حیرت انگیز روداد ون ہی کی وجہ سے اندلس کا سودا مسلمانون کے سر پر سوار ہے،

ان حالات مین سوال ہوتا ہے کہ عروج و اقبال کے آخری دنون مین جس ملک کی خراجی آمدنی جہان کی آمدنی کے برابر تھی، اس ملک مین ان شاہ خرچیون کے بعد بھی حکومت کے خزانہ کو اتنی بڑی بڑی رقمون سے معمور ہونے کا موقع کیسے ملا، اور اس آمدنی مین اتنے محیر العقول اور عجیب کارنامے کیسے انجام پائے، سلاطین وخلفاء کی حد تک نہین، بلکہ اندلس کے عام مسلمان افراد کے جو حالات کتابون مین درج ہین، اُن کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آخر یہ سب کچھ ان کے یہان کس راستہ سے آرہا تھا،

اس سوال کے جواب مین ممکن ہے، اختلاف کیا جائے، لیکن سالہا سال کے مطالعہ، اور فکر و نظر نے جس نتیجہ تک مجھے پہنچا دیا ہے، اسے عرض کرتا ہون

نسلِ انسانی کی زندگی کا قدرتی آئین جس کا نام دین اور مذہب ہے، جب اپنی آخری مکمل ترین شکل مین اس نے پیش ہوا کہ بنی آدم کے بکھرے ہوئے گھرانے، اور بچھڑی ہوئی آبادیان، ایک ہی دین، اور ایک ہی آئین پر سمٹ کر متحد ہو جائین، تو رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتخاب قدرت نے اس کام کے لئے کیا، اور ایک ایسے مرکزی مقام سے پکارنے کے لئے آپ کو کھڑا کیا گیا، جہان سے مشرق اور مغرب مساوی طور پر متاثر ہو سکتے تھے، اور ایک صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ مشرق بھی اس پیغام سے متاثر ہوا، اور مغرب مین بھی "وحدتِ انسانی" کی یہ آواز دور دور تک گونجتی چلی گئی، چونکہ اس آخری پیغام کے بعد بندون کے پاس اُن کے پیدا کرنے والے خالق کا کوئی پیغام آنے والا نہ تھا، اسی لئے اس "آخری پیغام"

کی بقا، وحفاظت کے لئے جہان بہت سے قدرتی اسباب پہلے مہیا ہوتے رہے، اور آئندہ بھی برابر ہوتے رہین گے، وہین اس سلسلہ مین یہ بھی کہا گیا کہ سیاسی قوت جس کی پشت پناہی عموماً دنیا کے عام ادیان و مذہب کو شروع مین میسر نہ آئی، وہ اس دینی دعوت کے ساتھ ساتھ نشو ونما پانے لگی، جو اس کی خصوصیت ہے، دعوت کا آغاز بھی عرب ہی کی سرزمین سے ہوا تھا، اور اس کی سیاسی قوت کا سرچشمہ بھی عرب ہی کا خطہ تھا، اور یہ عجیب بات ہے کہ بیس پچیس سال کے اندر اندر عہدِ فاروقی ہی مین مشرق کی سب سے بڑی سیاسی قوت (پرشین امپائر) اور مغرب کا سب سے بڑا سیاسی مرکز (رومن امپائر) دونون کے دونون اس کے سامنے چت ہوگئے، اس طرح ساری دنیا کی سب سے بڑی سیاسی قوت کا قالب جس حکومت نے اختیار کر لیا تھا، اس کی پشت پناہیون سے استفادہ کا موقع قدرت ہی کی طرف سے دین کی اس آخری دعوت کے لئے فراہم ہوگیا، اس لئے شروع ہی مین اس دینی دعوت کی جوہری بنیادون مین استواری و استحکام کی لازوال قوت بھر گئی، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ آئندہ کچھ بھی ہو تا رہے، لیکن اس دین کے بنیادی حقائق پر اشتباہ و ارتیاب کی ساری راہین بند ہین آج دنیا کے جس حصہ مین بھی اس دینی دعوت کو اس کے حقیقی خط و خال کے ساتھ تر و تازہ حالت مین جو بھی پانا چاہے بغیر کسی شک و شبہہ کے اسی طرح پا سکتا ہے جیسے براہ راست ان ہی کے حامل کرنیوالے پا رہے تھے، تاریخ کے مختلف ادوار مین بیشمار طوفانون سے دین کی اس آخری دعوت کو دو چار ہونا پڑا، خود اس دین کے نمایندون مین بھی دنیا کے مختلف حصون مین انحرافی طغیانیان پیدا ہوئین، لیکن اس دینی دعوت کی جوہری بنیاد

اس کی آسمانی کتاب القرآن الحکیم اور اس

کتاب کے پیش کرنے والے النبی الرؤف الرحیم

صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار کا ہر پہلو آج بھی اپنی تمام خصوصیتون کے ساتھ نمایان و درخشان ہے، ہر بوالہوس کرنے والے کی ہلکی سی توجہ اس حقیقت کو ثابت اور واضح کرتی چلی جائے گی کہ،

گوہر مخزن اسرار ہمان ست کہ بود ۔۔۔ حقۂ مہر، بدان مہر ونشان ست کہ بود

(باقی)

زبان کی ابتدا کیونکر ہوئی

از

جناب افتخار احمد صاحب اعظمی

" لسانیات یعنی فیلالوجی اگرچہ ایک خشک علم ہے، مگر جن لوگون کو اس سے ذوق ہے، ان کیلئے بہت دلچسپ ہے، افتخار اعظمی ایک ہونہار نوجوان ہین، اُن مین فیلالوجی اور شعر و ادب کا اجتماع ضدین ہے، فیلالوجی سے ذوق ہمارے سابق رفیق مولانا ابو الجلال صاحب ندوی کے فیض صحبت کا نتیجہ ہے، اور ذوق شعری مولوی اقبال احمد خان صاحب سہیل کی تربیت کا، معارف کا مقصد ہونہار نوجوانون کی حوصلہ افزائی اور علمی تربیت بھی ہے اس لئے فیلالوجی پر افتخار اعظمی کا یہ مضمون شائع کیا جاتا ہے، اور آئندہ بھی وقتاً فوقتاً اُن کے مضامین اور نظمین شائع ہوتی رہین گی۔ " م

بولنا یا بات چیت کرنا انسان کی ان خصوصیات مین سے ہے جو اُسے حیوانات سے ممتاز کرتی ہیں، لیکن یہ ایک قدیم سوال ہے کہ بولنا انسان نے کیسے سیکھا، اور زبانین کیونکر وجود مین آئین، مذہب اجمالاً اتنا کہکر خاموش ہو جاتا ہے کہ انسان کو بولنا خدا نے سکھایا،

خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَیَانَ — اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا، اور اسے بولنا سکھایا،

اور اس سے زیادہ رہنمائی نہین کرتا، لیکن یہ کہکر ہمین اس سوال پر غور و فکر کی ترغیب بھی دیتا ہے کہ ان گوناگون زبانون میں بے شمار اسرار و حقائق پوشیدہ ہین،

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الْاَلْسِنَةِ لَاٰیَاتٍ، — زبانون کے اختلاف مین نشانیان ہین،

جس طرح انسان کی تخلیق کے متعلق صرف اتنا اشارہ کرتا ہے کہ خدا اس کا خالق ہے، اور اس کے علاوہ مزید تشریح نہین کرتا، کہ آیا کس تدریجی رفتار سے اور کس طریقہ سے اسے بنایا، اور کن مادی اجزار سے اس کا ہیولیٰ تیار کیا، یہ ہوسکتا ہے کہ کہین کہین اجمالاً بیان کر دیا ہو، مگر اس کی کہین تشریح نہین کی، یہ ہمارے اوپر چھوڑ دیا ہے کہ ہم خود غور و فکر کرکے اس مسئلہ کو حل کرین،

سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَأَ اللہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ، — کرہٴ ارض کی سیاحت کرو، اور دیکھو خدا نے کیسے پیدائش کی ابتدا کی، اور پھر وہ کیسے لوٹاتا ہے،

اسی طرح زبانون کے اسرار و حقائق کا معلوم کرنا بھی ہمارے ذمہ کر دیا ہے، اب ہمارے اوپر ہے کہ ہم زبانون کی پیدائش کے بارے مین تحقیق کرین، اور اس کے پوشیدہ اسرار کا سُراغ لگائین، کیونکہ مذہب جماعت انسانی کے عیوب کا پردہ چاک کرنے کے لئے اور انسانی اعمال کی اصلاح کے لئے آیا ہے، نہ کہ زبان یا آفرینش عالم کی تاریخ بتانے کے لئے، یہ اس کا ایک بہت بڑا فضل ہے کہ اُس نے ان مسائل کی تحقیق ہمارے ذمہ کر دی، تاکہ ہماری ذہنی قوتون کو اُبھرنے اور مخفی صلاحیتون کو اجاگر ہونے کا موقع ملے،

زبان کے تدریجی ارتقاء کی تاریخ بتانے کے لئے ہمین انسان کے ابتدائی دورِ حیات کی مجمل آوازون، اور فطری بولیون پر غور کرنا ہوگا، تاکہ ہمین تمدن کی تدریجی ترقی کا بھی اندازہ ہو جائے، اور یہ معلوم ہو کہ جون جون انسان کے تصورات مین اضافہ ہوتا رہا، آوازین بھی بڑھتی رہین، اس طرح تمدن کا ایک خاکہ ہمارے ذہن مین آجائے گا،

انسان اپنے ابتدائی دورِ حیات میں جانوروں کی طرح آوازین نکالتا تھا، جو اس کے جذبات و احساسات کی تصویرین ہوتی تھین، انسان کے قلب پر خارجی یا داخلی موثرات جیسا اثر ڈالتے، ویسی ہی آوازین نکلتین،

جس طرح جانور مختلف مواقع پر قسم قسم کی بولیان بولتے ہین، یونہی انسان بھی بولتا تھا، آوازین زبان کے اتار
چڑھاؤ سے بدلتی رہتی ہین، مثلاً مرغیان انڈے دینا چاہتی ہین تو کڑکڑاتی ہین، اور اپنے بچون کو جب بلاتی
ہین تو کلکلاتی ہین، بلیان اپنے بچون کی تلاش مین ہون، یا بھوک سے بیقرار ہون، تو میاؤن میاؤن کرتی
ہین، اور اگر غصہ مین ہین تو غراتی ہین، کتے اپنے ہم جنسون کو دیکھتے ہین تو بھونکتے ہین، مالک پر اونکی
نظر پڑ جاتی ہے تو ایسی آوازین نکالتے ہین، جو کچھ نرمی اور لینت لئے ہوتی ہین، سانپ غضبناک ہے تو
پھنکارتا ہے، مور رقص نشاط سے پہلے مورنیون کو اپنی جھنکار سے پیام دعوت دیتا ہے، کبوتر غٹر غون کرتا
ہے، کوئل کوکتی ہے، بلبل چہکتا ہے، اور پپیہا پی پی کرتا ہے، شیر اپنے شکار پر جست سے پہلے دھاڑتا ہے، شکم سیری
کے بعد ڈکارتا ہے، جس طرح مختلف جذبات کے ماتحت مختلف آوازین جانورون کے منہ سے بیساختہ نکلتی ہین اسی طرح
انسان بھی اپنے ابتدائی دور حیات مین صرف طبعی تاثرات سے مجبور ہوکر مختلف آوازین نکالتا رہا ہوگا، جو اسکے جذبات کی ترجمانی کرتی رہی ہونگی،

ہماری موجودہ زبانین ہزارون برس کے پے در پے تغیرات کے باعث کچھ سے کچھ ہوگئی ہین، پھر
بھی ہم کو اپنے ذخیرہ الفاظ مین کچھ ایسے نمونے ملتے ہین، جن سے پتہ چلتا ہے کہ ہم کس طرح جذباتی بولیان بولتے
تھے، جب ہم کو درد محسوس ہوتا ہے، تو ہم آہ کرنے لگتے ہین، اسی طرح خوشی، رنج، حیرت، خواہش، غرض
ہر جذبہ کے ماتحت، ہم مختلف قسم کی آوازین نکالتے ہین،

انسان کے جذبات واحساسات بے شمار ہین، لیکن پہلے پہل جب وہ شکم مادر سے عالم وجود مین قدم
رکھتا ہے، تو اسے رنج کا احساس ہوتا ہے، نہ اس کے ہاتھون مین سکت ہوتی ہے، نہ اس کے ہاتھ پاؤن
مین دم ہوتا ہے، نہ اپنی غذا حاصل کرنے کی طاقت ہوتی ہے، اور نہ ماحول کے مضر اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ
رکھنے کی صلاحیت، ایسے عجز و ناتوانی کے عالم مین ہوا اس کے بدن کو چھوتی ہے تو چیخنے لگتا ہے، دھوپ کی
گرمی اسے ستاتی ہے تو چیختا ہے، غرض کہ یہی کمال نطق کا مدعی اس وقت ایسا بے زبان ہوتا ہے کہ چیخنے کے سوا
اسے اظہار مدعا کا کوئی اور طریقہ نہین معلوم ہوتا، وہ تکلیف کے اظہار کے لئے مختلف قسم کی چیخین حلق سے نکالتا ہے

یہ اوّن، آہ، اُوہ، اُح، وغیرہ انسان کی ابتدائی چیخ پکار ہے، اور آ! آ! یہ سب خوشی کی آوازین ہین، جو بالکل
اسی طرح یا بادنیٰ تغیر منہ سے نکلتی تھین، اس قسم کی تمام آوازین جو رنج یا آرام کے اظہار کے لئے ابتداءً طبیعی طور پر
زبان سے نکل پڑتی تھین، ان مین شعور و قصد کا کوئی دخل نہ تھا،

دکھ یا آرام کے احساس کے بعد انسان کو سب سے پہلے یا یون کہنا چاہئے کہ مسرت و کلفت کے احساس سے
بھی پہلے انسان کو دودھ پینے کی خواہش کا احساس ہوتا ہے، اور اسی کے واسطے چیخ پکار کرتا ہے، بچہ غون
غان، آغون آغون، دودھ کی خواہش کے لئے بولتا ہے، اور منہ بند کر کے اپنے تصور مین دودھ پینے لگتا ہے تو
اس سے ایک آواز نکلتی ہے، جسے عربی مین غَمْغَمَۃ کہتے ہین، (غَمْغَمَ الصبی علیٰ لبانِ اُمہ) یہی غَمْغَمَہ دودھ کی خواہش
کے اظہار کے لئے پہلا شغفی[1] نطقی لفظ ہے، یہ لفظ غمیمہ (دودھ کی خواہش) اُوام (پیاس) اُم (ماں) مار (پانی) کا ماخذ
ہے، اسی غون غان، یا اون آن کی طرح بچہ اَم اَم یا عَم عَم زبان سے نکالتا ہے، ماں سمجھتی ہے کہ بچہ دودھ
پینا چاہتا ہے، وہ آتی ہے اور اگر اسے دودھ پلاتی ہے، اسی طرح بار بار بچہ کے منہ سے ایسی ہی آوازین نکلتی
ہین، اور اس کی خواہش ماں پوری کر دیتی ہے، بچہ بار بار کے تجربہ سے یقین کر لیتا ہے کہ اسی طرح بول کر
اس کی خواہش کی تشفی ممکن ہے، اسی وجہ سے دودھ کی خواہش جب اسے ستاتی ہے، تو ایسی ہی آوازون
مین وہ اسے ظاہر کرتا ہے، دوسری طرف غور کرو کہ ماں ان آوازون کو سنتی ہے، تو سمجھتی ہے کہ بچہ دودھ پینا
چاہتا ہے اور اسے اس کے واسطے بلا رہا ہے، ماں کے اس تصور سے اَم اَم اور عَم عَم اور آم آم ماں اور دودھ
پینے کی خواہش کے لئے سمجھا جانے لگتا ہے، اور یہی آوازین رفتہ رفتہ سدھر کے غَام (دودھ کا خواہشمند ہوا) اُم
(ماں) بن جاتی ہین، اسی طرح پیاس کے اظہار کے لئے اَم اَم، مَا مَا جیسی آوازین منہ سے نکالتا ہے جو
درجہ بدرجہ خود بخود درست ہو کر اَم (پیاسا ہوا) ماءٌ (پانی) جیسے الفاظ کی شکلین اختیار کر لیتی ہین، یہ
انسان کی طبعی آوازین ہین، جو ابتدائی خواہشات (دودھ اور پانی) سے مجبور ہو کر غیر ارادی طور سے اس کے

---

[1] یہ میرے دوست مولانا ابو الجلال ندوی کی بنائی ہوئی اصطلاح ہے، یہ دو لفظون سے مرکب ہے، اول شفوی دوم حلقی،

منھ سے نکلیں،

لیکن جب ارادی طور پر سمجھنے اور سمجھانے کے لئے بولی جانے لگین، تو یہ الفاظ بنے، اور یہ الفاظ خاص معانی کے لئے مختص ہوگئے،

اُمّ (مان) عیمہ (دودھ کی خواہش) مار (پانی) جیسے الفاظ طبیعی اور فطری الفاظ ہیں، اس لئے اُن کے مماثل الفاظ اگر کسی دوسری زبان مین ملین تو ہم یہ نہین کہہ سکتے، کہ یہ الفاظ عربی سے دوسری زبانون مین گئے ہین کیونکہ بچہ خواہ وہ مرغزار کاشمیر مین پیدا ہو یا ریگ زار عرب مین، جب پہلے پہل بولے گا تو حلق سے بولے گا، اور پھر ہونٹون سے، اور یہ آوازین مان کو پکارنے یا اپنی بھوک پیاس بجھانے کے لئے نکالے گا، آئیے ذرا دیر کے لئے اور زبانون کا جائزہ لین، کہ اُن مین عربی زبان کے اُمّ اور مآ جیسے الفاظ ہین یا نہین، ہندی اور انگریزی کو لیجئے یہان آپ کو لفظ اُمّ کے مماثل دو لفظ ملین گے، (۱) مان (۲) ماتا (ہندی) (۱) Mother The شاید آپکو یہ اعتراض ہو کہ یہ کہان سے آگیا، یہ انگریزی زبان کا لاحقہ ہے جو رشتہ اور تعلق کو ظاہر کرتا ہے،

(مآر =) م اور ب، اور و، شفوی (ہونٹ والے) حروف ہین، ان مین باہم تبادلہ ہوتا رہتا ہے، کبھی م، ب سے بدلتی ہے، تو کبھی ب، م سے، اب آب، مآر، قم، آب، پانی اور Water پر غور کیجئے کہ یہ سب کے سب ایک ہی طرح کے نظر آتے ہین، یا نہین، مآر اور قم تو بالکل ایک ہی ہین، ہان مآر، آب اور پانی جیسے الفاظ بہ ظاہر ایک نہین معلوم ہوتے، لیکن تبادلہ حروف کے اصول کو پیش نظر رکھئے تو معلوم ہوگا، کہ م کا تبادلہ ب سے اور ب کا پ سے ہوتا ہے، اب مآر کو لیجئے تو آم ہو جائے گا، آم کے معنی عربی مین ہین، (پانی کا خواہشمند ہوا) چونکہ م کا تبادلہ ب سے ہوتا ہے، اور ب کا پ سے، اور پ یا ف کا و سے، اس لئے مار، اور آم نے، آب پانی[۱] اور Water[۲] کے الفاظ کی صورتین اختیار کر لین، یہ الفاظ تمام قومون کی مشترکہ میراث ہین، یہ نہین کہا جا سکتا کہ ان الفاظ مین سے کوئی لفظ بھی کسی نے دوسرے سے لیا، یہ الفاظ غالباً اس زمانہ کی بولیان ہین، جب نسلِ انسانی ایک جگہ رہتی سہتی تھی

---

[۱] پانی مین اصل پا ہے، نی غنہ کی آواز ہے، [۲] er انگریزی زبان کا لاحقہ ہے،

ان بولیون سے نوعِ انسانی کی وحدت کا پتہ چلتا ہے،

بچہ سب سے پہلے حلق سے چیختا ہے، (آما، فا، حا، ا) پھر ہونٹون کو کھول موند کر (ما، با، وا، فا) جیسی آوازین نکالتا ہے، ان دونون آوازون کے اجتماع سے عام اور مار جیسے الفاظ بنے، جو ابتدا مین یقیناً مرادف رہے، ہون گے، بعد مین جب ان الفاظ کے معانی کثیر اور اُن کی طرز ادا مین تغیرات کی وجہ سے تعدد پیدا ہوا تو مختلف مناسبتون کا لحاظ کر کے ایک لفظ کو ایک معنی کے لئے اور دوسرے کو دوسرے معنی کے لئے خاص کر لیا گیا،

۲- عام کی آواز مار سے مقدم ہے، کیونکہ عام کی آواز اندر سے باہر آتی ہے، اور یہی طبیعی آواز ہے، مآر اس کا عکس یا قلب ہے (۳) چونکہ بچے کی ابتدائی اور پہلی خواہش دودھ پینا ہے، اس لئے ابتدائی مفہوم شغفی الفاظ کا یہی دودھ کی خواہش ہے، اس ابتدائی مفہوم کو عیمہ کا لفظ ادا کرتا ہے، اس عیمہ سے تشبیہ آم (پیاسا ہوا) حام (سخت پیاسا ہوا) حام (پیاسا ہوا) غیم (پیاس) وغیرہ الفاظ اور ان کے مشتقات پیدا ہوئے، عام وغیرہ کی آوازین خارج من الداخل ہین، (اندر سے باہر آتی ہے) دودھ اور پانی کی خواہش ایک داخلی کیفیت ہے جو اندر محسوس ہوتی پھر ظاہر کیجاتی ہو،

۳- مآر (پانی) ماہ (پانی زیادہ ہوا) مَاعَ (پانی کی طرح سیال ہوا) ماح (کنوین سے مٹی نکالی، تاکہ صاف پانی ملے) وغیرہ الفاظ داخل من الخارج ہین، پانی بھی داخل من الخارج ہے، اس حیثیت سے کہ پیا جاتا ہے، میح (کنوان صاف کیا) مین بظاہر بات الٹ گئی، کیونکہ کنوین کے اندر سے باہر مٹی نکالی جاتی ہے، حالانکہ اسکی ساخت کا اقتضا دیہ ہے، کہ معنی مین دخول کے مناسب مفہوم پایا جائے، ماح فی البیر مین یہ بات دوسرے طرح سے پائی جاتی ہے، باقی مین باعتبار شرب اور دخول فی البئر باعتبار عمل جسم کے ہے،

۴- عیمہ (دودھ کی خواہش) محسوس ہونے کے وقت بچہ عم عم بولتا ہے، مان سمجھتی ہے کہ اُس نے مجھے پکارا، اُسی سے اُم (عربی مین) اور ما (آریائی زبان مین) مان کا نام بنا، مان کا خاص وصف "توبہ" (مامتا) ہے، یہی مامتا عام ہو کر محبت بنی، اقربا سب کے سب (احباب) تھے، شغفی الفاظ اس بنا پر محبتون اور قرابتون

پر بھی دلالت کرنے مین (محبت) بھی ایک اندرونی احساس ہے، اُم کی آواز خارج من الداخل ہے،

عِمہ شُفقتی الفاظ مین بنیادی لفظ ہے، یہ گویا اصل ہے، اس سے دو شاخیں پھوٹتی ہین، ایک شاخ تو "پانی" اور اس کے متعلقات کو اپنے دامن میں لئے ہے، دوسری شاخ ماں، اور دوسرے قریبی رشتوں کو اپنے اندر جذب کئے ہے، حب ذیل نقشوں سے یہ بات صاف طور سے ذہن نشین ہوجائے گی،

(نقشہ نمبر ۱)

العمیم

عَمٰی (اندھا ہونا)

عمایہ (گمراہی)

الغمار

عم السطر الارض (زمین پر پانی پھیل گیا)

(ابر سیاہ)

(۵) برس

عوم النجوم — (۴) عام تیرنا

(۳) پانی

(۲) عیمہ پیاس

(۱) عیمہ (دودھ کی خواہش)

نقشہ نمبر (۲)

باقر کاشانی

اور اس کا مرثیہ

از ڈاکٹر نذیر احمد ایم اے، پی ۔ ایچ ، ڈی ڈی لٹ لکھنؤ یونیورسٹی

باقر کاشانی دسوین صدی ہجری کے نصف آخر اور گیارہوین صدی کے ربع اول کا ایک پرفکر شاعر گذرا ہے، مقصود خوردہ فروش کاشی کا چھوٹا بھائی تھا، شاعری مین محتشم کاشی سے[1] فیض یاب ہوا، اور خطاطی مین میر معز الدین خطاط کاشی کے سامنے زانوے ادب تہ کیا، اور اس فن مین اس حد تک کمال وصل کیا کہ اپنے زمانے مین یکتاے روزگار ہوگیا، شاہ طہماسپ صفوی کے آخری عہد مین سن شعور کو پہنچا، اور کچھ دنون تک شاہ عباس کبیر کا زمانہ رہا تھا کہ دفعۃً ملحدین کے ایک فرقے سے ارتباط رکھنے کے الزام مین ایک سال کی قید بامشقت کی سزا ملی، جس سے رہائی پر شاہ عباس کے مدار المہام فرہاد خان کے کتاب خانے کے محافظ اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوا، ایک سال کے بعد عتبات عالیہ کی زیارت کے ارادے سے نکلا، اور نجف اشرف، اور کربلاے معلیٰ کی زیارت کی، تقریباً ۲ سال کے بعد پھر اپنے وطن کو مراجعت کی، اور چند ہی دنون بعد ہندوستان کی طرف روانہ ہوا، اور سنہ ہجری مین بیجاپور پہنچ کر ابراہیم عادل شاہ ثانی کے متوسلین مین شامل ہو گیا، اور تا زیست اسی حکمران کے خوان احسان سے مستفیض ہوتا رہا، معتبر تذکرون کے بیان کے مطابق بیجاپور ہی مین ۱۰۳۴ھ مین داعی اجل کو لبیک کہا،

---

[1] عجیب بات ہے کہ محتشم اور مقصود خوردہ ایک دوسرے کے سخت دشمن تھے، مگر مقصود کے چھوٹے بھائی نے محتشم ہی کی شاگردی قبول کی،

باقر کا دیوان خود اس کے زمانہ مین مدون ہو چکا تھا، اس کے دیوان کے دو نسخون کا پتہ چلا ہے جن مین سالار جنگ میوزیم حیدرآباد کا نسخہ[1] میرے زیر مطالعہ رہ چکا ہے، دیوان اس کے جملہ اصناف سخن پر حاوی ہی، لیکن بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ دیوان اس کے پورے کلام پر حاوی نہین ہے

اصناف سخن مین باقر نے غزل، قصیدہ، مثنوی، ترکیب و ترجیع بند، ساقی نامہ، رباعیات سب پر طبع آزمائی کی ہے، لیکن دیوان کا بیشتر حصہ اس کے قیام بیجاپور کی یادگار ہے، معلوم ہوتا ہو کہ قیام ایران کے زمانہ کا بیشتر کلام زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکا، بہرحال اس کے موجودہ کلام مین دو ترجیع بند (ایک مقابل ترجیع بند سعدی، اور دوسرا مقابل ترجیع وحشی یزدی) مثنوی تذییل الاشعار اور ترکیب بند مرثیہ خاص شہرت کے حامل ہین، ان مین آخر الذکر تاریخی اعتبار سے زیادہ اہم ہے، متعدد فارسی تذکرون مین اس کا ذکر موجود ہے لیکن کسی مین دو بیت سے زیادہ منقول نہین، اس ضرورت کے پیش نظر اس کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا،

یہ ترکیب بند سنجر کاشانی کا مرثیہ ہے جس کو فارسی ادب کی تاریخ مین کافی شہرت حاصل ہی، سنجر باقر کا ہم عصر اور ہم وطن تھا، سنجر کا باپ میر حیدر معمائی اپنے زمانہ کا مشہور ادیب اور ممدوح گذرا ہے، زیر بحث مرثیے سے باقر اور میر حیدر کے خاندان کے اس رابطہ کا پتہ چلتا ہے جس کی جھلک باقر کے دیوان مین پائی جاتی ہو اور جس کی تصدیق بعض دوسرے بیانات سے ہوتی ہے،

ترکیب بند

(۱)

اے دل بیا کہ سوز گذشت و عزا رسید　　مارا بہ ہند واقعۂ کربلا رسید

از بسکہ ریخت زہر اجل در مذاق دہر　　تلخی زنیشکر بہ نے بوریا رسید

[1] دوسرا نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ مین ہے،

مانند پر زاغ سراسر سیاہ شد　　بنگر کزین عزا چہ بہ بال ہما رسید

. . . .　　. . . . .

چشمے کہ ہمچو سرمہ سیہ داشت روز ما　　آخر ز خاک کورہ بدو توتیا رسید

فریاد بلبلان چمن از برائے چیست　　گوئی کہ این قضیہ بباد صبا رسید

زین ماجرا بہ ہر قیامت شد آشکار　　مارا شب فراق بروز جزا رسید

نگذاشت است درد درستی بہیچ جا　　چندانکہ کار چاک بہ بند قبا رسید

آب حیات ہم نہ دہد فیض زندگی　　نا یدوا بکار کسے[1] چون قضا رسید

ما سنگ دآہنیم کہ از ہم[2] نریختیم　　بر جان ما ز مرگ عزیزان جفا رسید

خامہ زبیدالشعرا رسم در سخن
سنجر کہ بود بادشہ[3] کشور سخن

(۲)

دردا کہ گور مغرب آن آفتاب شد　　واحسرتا کہ خاک رخش را نقاب شد

از بس گریستم ز غم نور دیدہ ام　　بہ چشم بردے گریہ روان چون حباب شد

حرفے بہ رنگ و بوئے تو گفتم بہ گلستان　　در باغ گل ز حسرت روئیت گلاب شد

شد نافہ آہوان ختن چشمہائے من　　در دیدہ خون سوختہ ام مشکناب شد

از بسکہ اشک من ہمہ عالم فرو گرفت　　بحر محیط در نظر من حباب شد

اشک از جگر بر آمد و در دیدہ ام بسوخت　　افغان کہ آب بے گل روئیت گلاب شد

آخر شناس عمر تو ہشتاد گفتہ بود　　چل سال روز گشت و چہل شب حساب شد

[1] اصل نسخہ: کس، [2] از ہم مشکوک [3] اصل نسخہ بادشاہ،

رفتی و در غم تو سیہ پوش گشت لفظ[1] — وز فرقت تو کشور معنی خراب شد

بیدار تر نبود کسے از تو در جہان — زافسانہ کہ بود کہ چشمت بخواب شد

رفتی بخواب مرگ و فلک بست خواب من

بردار سر ز خواب عدم آفتاب من

(۳)

رفتی و در رخ تو ندیدیم انقلاب — رفتی تو آن چنان کہ مگر رفتہ بخواب

جان دادی آن چنان کہ کریمان دہند زر — نے ہمچو حاتمی لئیمان باضطراب

از دست چپ گرفتی و دادی بدست راست — داری دو تا گواہ چرا می دہی حساب

بودی سبک عنان چو مرہم بروے داغ — کس از درت نرفتہ گران دل بہیچ باب

تخم وفا کہ کاشتہ بودی بہ سینہ ہا — خون می کشند ز ریشہٴ دلہا بجاے آب

دورم ز خدمت تو و شرمندہ ام ولے — کردم حوالہ ات بہ دعاے مستجاب

نور محمدی ز جبین تو می دمید — سر از زمین حشر برآور چو آفتاب

در پیش دست ساقی کوثر کہ جد تست — بنشین و یک دو جام بکش زان شراب ناب

و آنگاہ یاد بادہ بگردان ہمدمان[2] — و اندر میانہ باقر لب تشنہ را بیاب

جامے بدہ بیاد جگر گوشہ حسین

تا کربلاے جان دہد از دست شور و شین

(۴)

اے جانشین شاہ شہیدان کربلا — وے زندہ کرد مرگ تو دوران کربلا

[1] لفظ مشکوک ، [2] ہمدمان مشکوک ،

اے نوش کردہ زہر سیہ کامی اجل — بر سفرہ دکن شدہ مہمان کربلا

خلقے کہ بر تو رفت عجب نیست گر کنند — بر مردن تو گریہ شہیدان کربلا

می خواست بر فروزد از آن روز دل فروز — شمعے کہ کشتہ بود شبستان کربلا

گردے[1] کہ گذشتہ بدامان روزگار — خونے[2] دگر گرفت گریبان کربلا

خون می کشد ز دیدہ مزارت از آنکہ ہست — خاکے[3] تو گریہ خیز چو میدان کربلا

از عورتان بیوہ و طفلان بے پدر — شد خانہ ات بعید سر و سامان کربلا

بربستہ ای اگرچہ لب از گفت و گو ولے — دیوان شعر تست رجز خوان کربلا

ہستم امیدوار کہ نقالہ لب پرند — نخلے[4] ترا بمرتبہ سلطان کربلا

جد تو گفتہ است درین ہست صد شہید

ہر کس کہ او غریب بمیرد بود شہید

(۵)

امروز روز ماتم فرزند حیدر است — امروز روز تعزیت شاہ صفدر است

شورے فغان فتاد کہ مردم گمان برند — کامروز پاس اول فرداے محشر است

این سوز باعزاے حسین علی نبود — امروز ماتم دگر و سوز دیگر است

آرے زمانہ داغ بہ بالاے داغ سوخت — داغے کہ تازہ باشد و روشن تر آن است

گر این زمان بیاد برین قصہ خون گرے[5] — آن خارجی کہ گفت محرم مکرر است

بعد از تو زندگی شدہ بر جان ما حرام — عمر تو و فراق تو مرگ مصور است

[1] اصل نسخہ : گردے ، [2] اصل نسخہ : خونے [3] اصل نسخہ : خاکے ، [4] اصل نسخہ : نخلے ، [5] یہ لفظ مشکوک ،

ہنگام صبحدم شبے آمد بخواب من | با صورتے کہ گوئی خورشید انور است

گفتم کجاست وعدۂ ما و تو روز حشر | گفتا کجا کہ سایۂ چتر پیمبر است

آنجا گرم دو چار نگردی سراغ کن | سرچشمہ کہ نام خوشش حوض کوثر است

از آب و سایہ ہچو توئی را سزا بود

کردیم اگر طفیلی بزمت روا بود

(۶)

اے سیدان خطۂ کاشان فغان کنید | باز ہا[1] زکاه فغان کہکشان کنید

دروازہاے شہر ببندید و آن زمان | آئید و نوحہ بر در سمسار خان کنید

گیسوے خویش را بکشائید بعد ازان | زان کاه و خاک بر سر خود گلفشان کنید

. . . . | . . . .

پس چشم میر تذکرہ را بر کنید پاک | این حرف را علاوۂ آن داستان کنید

آن کورکِ منافق ازین قصہ دل خوش است | جمش بفگنید و سرش بر سنان کنید

آن گاه کاسۂ سر پر آمد و ے او | خالی کنید و آبخورِ کرگسان کنید

جوشش و خروش شاه حسنا و حسین کو | ماه محرم است همین و همان کنید

تا سر کشید گریہ سراپا شوید چشم | تا بر کشید نالہ همہ تن دہان کنید

سرو قبائل آن گلِ باغِ طباطبا | پژمرده شد بہار بیادش خزان کنید

آن برگزیده گوہر ازادگان چہ شد

شمع قبیلۂ شرفِ دودمان چہ شد

---

[1] یہ لفظ مشکوک ہے۔

(۷)

سنجر زمہر بہاد تمناے سروری | بے بادشاه ماند جہان سخنوری

تاریخ او بتعمیہ گفتم بو الدشش | افگند بادشاہِ سخن جیب سنجری

از بسکہ روے نامہ خراشید خامہ ام | ہر سطر جوئے خون بود از رنگ سنگری

گر نہ کلام تو بدے اندر لباس نظم | بودے گمان کہ داری وحی پیمبری

بے نظم آبدار تو شد بحر شعر خشک | خاکِ سیاه بر سر این شعر و شاعری

کس پاے پیش پاے تو ننہاد در سخن | ہم در غزل سرائی و ہم در ثناگری

گردِ سر طبیعت شوخ تو گشتہ اند | ہر دم روان سعدی و ارواح انوری

با دوستانِ دشمن و با دشمنانِ دوست | بودت محبتِ پدری مہر مادری

پاے کسی ندیده از من بہ ہیچ باب | روزے کہ داده ام بتو دست برادری

در زیر خاک ما و تو چون تخم بہم رسیم

ہر چند بہ پیش رفتۂ آخر بہم رسیم

(۸)

داد از جفاے چرخ جفا پیشہ داد داد | کز گردشش نہ شد دلِ یک آفریده شاد

بگذار سبز ناشده از مزرعِ امید | مانند کاه خرمن عمرے دہد بباد

گویند ہر قدر کہ بمیرد بزایدے | یک غم نہ مرده بود کہ صد غم از و بزاد

مارا بہر زمین کہ کند خاک حاکمست | چون خس فتاده ایم بدامان گردباد

انصاف اے زمانہ مگر گشتنی[1] کمست | دایم باہلِ فضل جرا می کنی عناد

---

[1] مشکوک۔

باشد حیات بیلے مانند گل دو روز
عمر دراز از جہت کرگست و خاد

کردی قیاسے کہ تلافی پذیر نیست
کان ہیچ چشم و گوش مبیناد و و مشنواد

بر جان شاہ سنجر مسکین اجل بظلم
زخمے چنان رساند کہ دستش بریدہ باد

سنجر ازین قضیہ سیہ کرد چتر خویش
گوئی باو خدائے جہاں علم غیب داد

از نام نامی تو شد این اسم ارجمند

ہمنامی تو کرد چنین نام او بلند

(۹)

سنجر اگر نماند دم روح پرورش
باد ابقائے عمر عزیز برادرش

آن گو شود ار عرش گر نامش ز آسمان
معصوم شد کہ چاردہ معصوم یاورش

زان نور آفتاب بروئے زمین فتد
تا او باین وسیلہ نہد پای برسرش

ای کاش زندہ گشتی و مداح او شدی
شاید برادرش کند و مدح در خورش

معنی او و لفظ متینش گمان بری
جوشید آب خضر ز سد سکندرش

بگذشتہ ان جنان کہ نباشد بے عجب
از طرف حرف ریزد اگر معنی بکرش

گر ذرہ زندہ می نکند خاک زر کند
ای من نصیر چہ نظر کیمیا گرش

از چنین سخن کن واز ظاہرش گو
بشنو چہ طیب آمد ذات مطہرش

آل طباطبا ست کہ نسا بہ جہات
بے شبہ برگزیدہ نادولا وحید زش

یارب ہمیشہ در ہمہ جا ارجمند باد

پیوستہ اسپ دولت او سر بلند باد

---

۵ مشکوک ۵ مشکوک،

آثار علمیہ و ادبیہ

مکاتیب مولانا ابو الکلام

بنام

مولانا سید سلیمان ندوی

(۷)

نمبر ۵۸ رپن لین کلکتہ

۲۵ راگست

اخ الاعز الاجل   انعم اللہ علی بلقائکم والسلام علیکم

والا نامہ پہنچا، مجھے خوف تھا کہ کہیں آپ پونہ سے چلے نہ گئے ہون، یہ آپ نے کیونکر کہا کہ مین آپ کو بھول جاتا ہون، غالباً تواتر و تسلسل مراسلات علائق قلبیہ کے لئے شرط نہین ہین، آپ یقین کرین کہ موجودہ عہد کے جہل عام اور فساد محیط مین اتحادِ مشرب و مشرب کا رشتہ ایسا توی ہے کہ اگر ہم مین سے کوئی کسی کو بھولنا بھی چاہے تو نہین بھول سکتا،

اریدُ لانسیٰ ذکرہا، فکانما
تمثل لی لیلیٰ بکل سبیل

ترجمۃ القرآن کے متعلق او رامور تو پیش نظر تھے لیکن ہر ہیر اگراف کے لئے عنوانات کا قائم کرنا ایک نہایت ہی قیمتی اور مفید ترین چیز ہے، جو آپ نے مجھے بتلا دیا، مجھے اس کا بالکل خیال نہ تھا، البتہ رکوع وغیرہ پیشتر سے نظر انداز تھے، اصلی رکوع وہی ہے جو کسی مضمون مسلسل کا ایک مستقل نختم بہ علامت وقف تام کر دیا ہو،

ہفتہ عشرہ مین سورہ بقرہ آجائے گی، تو آپ کے پاس بھیجون گا، لیکن سچ یہ ہے کہ کام سے پہلے جن مشکلات کا علم نہین ہوتا، وہ کرنے پر اس طرح سامنے آگئے ہین کہ قدم قدم پر رک جانا پڑتا ہے،

ایک چھوٹی سی بات عرض کرتا ہون مثلاً امثال القرآن ہین، ان کی مختلف حالتین ہین، غالب صورت یہ ہے کہ صرف مثال پر قناعت کی ہے، اور سوائے حکم تفکر و تعقل کے اور کوئی چیز اصل مین ایسی نہین ہے، جو مشبہ بہ کو واضح کرے، اب اگر ترجمہ مین بھی وہی شکل قائم رہتی ہے، تو وضاحت و تفہیم کہ اصل مقصود ہے فوت ہوتا ہے، اگر وضاحت کی جاتی ہے تو اختصار مین زور و بلاغت نہین، اور اطناب مین بہت زیادہ اصل پر اضافہ ہوجاتا ہے، بعض مقامات پر مین تھوڑا بہت کامیاب ہوا ہون کہ ایسے الفاظ جمع ہوگئے، جن مین ضمناً وضاحت ہوگئی، اور متن سے بھی بہت زیادہ دور نہ نکل جانا پڑا، لیکن بعض مقامات کی مشکلین بہت سرگردان کرتی ہین،

سورہ بقرہ کی مشہور مثال مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ الخ الی او كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ میرا خیال ہے کہ قرآن کریم کی پہلی صورت مین یہ مثال بلا وجہ ضخیم نہین ہے، اور در اصل اس کے اندر بہت ہی بڑی تفصیل پوشیدہ ہے، اسے محض بعض یہود و منافقین یثرب سے تعلق نہین، بلکہ اپنے عموم و اطراف مین مجمع انسانی اور ہدایت افراد و امم کی ایک ایسی اصولی تقسیم ہے جس سے باہر کوئی گروہ باقی نہین رہا، مجھے خوشی ہوئی کہ قدما مین ابن قیم نے اسے محسوس کیا ہے، اجتماع جیوش کے آٹھ صفحون مین اس پر بحث کی ہے، گو پھر بھی حسب بخواہ نہین ہے،

اب فرمائیے کہ اگر اس مثال کو اردو مین لکھکر چھوڑ دیا جائے تو کیا اثر ہوگا ؟ لیکن اگر مسطور مثال سے دیباچہ باقی رکھ کر مطلب کو بڑھایا جائے اور کھولا جائے تو کس قدر زیادہ اضافہ اصل پر ہوجائے گا ؟ علی الخصوص اَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ الخ،

بہرحال کسی طرح کام کو جاری رکھا، یہ کام در اصل یون تھے کہ باہم یکجائی ہوتی، اور دیر دیر تک صحبتین ہوتین، بارے مین کی جاتین، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہین تو جس حال مین جو کچھ ہوجائے، اور توفیق مساعد ہو،

شکر کرنا چاہیے حضرۃ شاہ ولی اللہ کی سوانح موجودہ ٹونک کی خبر دے کر آپ نے مجھے بے چین کر دیا، ممکن ہو کہ اس مین کچھ حالات ہون، تصانیف مین خاندان وغیرہ کی تفصیل ملتی ہے لیکن سلطنت مغلیہ کے آخری عہد مین اُن کے سالہا سال کیونکر بسر ہوئے، اور ایک شخص جسے ہم حجۃ اللہ البالغہ مین دیکھتے ہین، عملاً کیسی زندگی بسر کر گیا ؟ اس کا کوئی ذریعہ نہین، مولانا شبلی رحمۃ اللہ کی بدولت مجھے ایک عمدہ شے ملی، اور مین نے نقل لے لی یعنی ذخیرہ دائرہ الہ آباد شاہ صاحب کے لئے اس سے زیادہ نہین ملے گا،

لیکن خدارا کسی قدر مفصل لکھئے کہ ٹونک کی نسبت کس نے کہا؟ کس کے پاس ہے ؟ ٹونک مین اپنے بہت سے مخصوص احباب ہین، نیز حکیم برکات احمد صاحب سے بھی باوجود تو تب خط و کتابت ہے، اور وہ کہتے ہین کہ تم ایک اچھے قسم کے گوارا دہانی ہو، ممکن ہے کہ اُن کے ذریعہ کام نکلے، بہرحال اپنی معلومات نسبت رسالہ ٹونک مفصل لکھین،

الہلال کا وہی حال ہے جو مین نے آپسے کہا تھا، گو آپ لوگون نے کبھی میرے اس وعدہ کو صحیح نہین سمجھا کہ مین دوبارہ جاری کرون گا، البصائر، البلاغ، البیان، ترجمان، اتنے پریس مین جب چاہون قائم کر سکتا ہون، اور جب چاہون ان مین الہلال چھاپ سکتا ہون، ان مین سے سر دست ایک کو اختیار کیا ہے، اور اب آج کل کی بات ہے،

تفسیر القرآن باسم البیان فی مقاصد القرآن ماہوار رسالے کی شکل مین نکلے گی۔

اگر مین یہ کہون تو کیا آپ اسے سچ سمجھین گے کہ میرا جی آپ سے ملنے کو بہت چاہتا ہے، اور آپ کی یاد ہمیشہ اس طرح آتی ہے، گویا مین اپنے حقیقی بھائی کی نسبت سوچ رہا ہون ؟

قضاها لغيري وابتلاني بحبها

آپ نے لکھا ہے کہ آپ اکتوبر سے فارغ ہین، لیکن پونا سے کہان جائین گے ؟ اعظم گڑھ یا وطن ؟ اگر دسنہ کا قصد ہو تو اس سے کلکتہ دور نہین، اور ویسے تو پونا اور اعظم گڑھ سے بھی ایک لحۂ محبت مین بعد قرب ہو سکتا ہے؟

دارالمصنفین کے لئے بہت ضروری ہے کہ اُسے حقیقت اور اصلیت کا نمونہ بنایا جائے، اور اس کے دائرہ کو اتنا وسیع نہ کیا جائے کہ ہر اڈیٹر اہل قلم اور ہر مضمون نگار مصنف ہو، ورنہ سب کچھ بے سود ہے، وہ وقت ابھی سے پیدا کرنا چاہئے کہ اس کا نام سند اور سارٹیفکٹ کا کام دے،

فقیر ابوالکلام کان اللہ لہٗ

(۸)

اَخ الجلیل الاعز انعم اللہ علی بلقائک

خط پہنچا، ایسی حالت میں کہ آپ کے عدم تعیین مکان، و عالمِ اطلاقِ مقام سے سخت پریشان تھا، اور حیران تھا کہ کیونکر خط و کتابت کروں،

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ میری فرصت موجودہ اب قریب الاختتام ہے، اور مشیتِ الٰہی جس طرح مہلت دیکر اپنا کام کرانا چاہتی تھی، اسی طرح آخری ابتلا، کو بھیجکر کوئی عظیم الشان مقصد پورا کرانا چاہتی ہے، آثار گویا یہ ہیں اور علائم قطعی، اخبار موثق اور اطلاعات معتمد تاہم سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے، اور میں نے اس دورِ حیات میں بڑے بڑے کرشمے دیکھے ہیں بس کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کل ٹھیک کیا ہوگا، اور وہی ہو جو اسکی مرضی ہے،

ایسی حالت میں بہت سوچتا ہوں لیکن آپ کے سوا کسی کو نہیں پاتا جس سے امید رکھوں، مدت ہوئی جب آپ کلکتہ میں تھے، اور ایسے ہی ایک اطلاع ملی تھی، شب کو میں نے اپنے کمرے میں آپ کو بلایا تھا، اور آپ نے مجھ سے ایک وعدہ کیا تھا، خدارا اسے سامنے لائیے، اور جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے دیکھئے، وقت میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ اسی وقت اپنے کاموں میں کوئی تبدیلی کیجئے، البتہ اگر اس کا آپ بذریعہ تحریر مجھ سے وعدہ کریں کہ جب وقت آئے گا، تو آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صرف ایک کام کے ہو رہیں گے، تو میں بڑی ہی تسکین پاؤں، اور اطمینان کے ساتھ آنے والی حالت کو قبول کرلوں، وہ تسکین جو بدبختی سے اور کسی

کے پاس نہیں،

آپ مجھ سے بلا تاخیر بذریعۂ تحریر وعدہ کریں کہ اگر میری نسبت آپ کو کوئی نئی خبر ملے، تو آپ کا پہلا کام یہ ہوگا کہ آپ فوراً کلکتہ آئیں، اور البلاغ کو جو نکل چکا ہے (اور انشاء اللہ محفوظ ہے) اپنی اڈیٹری میں لے لیں اور ایک خالص دینی و اصلاحی رسالے کی شکل میں مع اس کے خصائص کے اس کو جاری رکھیں، کسی پرخطر راہ کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، نہ جنگ پر رائے زنی کی ضرورت ہے، صرف قرآن و سنت کے معارف و دعوۃ کو با ندازِ اصول البلاغ مخصوص جاری رکھنا چاہئے، اور جب تک اس طرح کیا جائے گا، اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے،

یہاں تمام لوگ آپکے استقبال کے لئے منتظر رہیں گے، اور وہ آپ کا اسی طرح ساتھ دیں گے جس طرح میرا دیتے ہیں، اور اسی طرح حکم مانیں گے، اور ماتحت رہیں گے، جیسے میرے رہتے ہیں،

دوسرا اس سے بھی اہم مسئلہ دارالارشاد کا ہے، افسوس کہ یہ بہت دیر میں شروع ہوا، اور اس کی ناتمامی کا داغ بڑا ہی داغ ہوگا، میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا ہوگا، تاہم اگر قرآن حکیم اور علوم اسلامیہ کا درس ان اصولوں پر جو آپ سے پوشیدہ نہیں، آپ جاری رکھ سکیں، اور لکھدیں، تو وہ بھی بصورت موجودہ آپکے تصرف میں آجائے گا، اور پہلے کام سے بھی بڑھکر کام ہوگا، اگر آپنے اسے بند نہ ہونے دیا، جو لوگ یہاں مقیم ہیں ان کے مخارج و ضروریات سب بدستور مہیا رہیں گے ضرورت صرف اس کی ہے کہ قرآن حکیم پر تفسیر بالرائے و عقلیت سے الگ رہکر، احادیث ناقابلِ انکار کا ساتھ دے کر لغت و ادب کی بالکل نئی تحقیقات و کاوش سے مدد لے کر (جس سے نصف مشکلات حل ہو جاتی ہیں) قرآن کے حقائق اجتماعی کے انکشافات پر زور دیکر، اور اس کے درس کو تمام مسائل و عقائد و اعمالِ قدیمۂ اقوام و امم و تحمات مسئلۂ اصلاح و تبلیغ اہل اسلام پر محیط کرکے درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا جائے، اور مسائل اصلاح و تبلیغ، نیز تمام علوم اسلامیہ پر مجتہدانہ لکچر دیئے جائیں،

اگر آپ ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں تو دارالارشاد بھی مع کتب خانے کے آپکے سپرد کردیا جائیگا تاکہ

آپ اس کو قائم رکھیں، اور جب تک خدا مجھے دوبارہ مہلت نہ دے آپ میرے بعد کاموں کو التوا سے بچالیں،

زندگی چند روزہ ہے، ہم سب کو خدا کے حضور جانا ہے، اور اپنے فرائض کے متعلق جواب دہی کرنی ہے، الکام

میرا ہے نہ آپ کا، اگر آپ نے اس خط کے پڑھنے کے ساتھ ہی تحریری وعدہ بھیجدیا، تو میں مطمئن ہو جاؤں گا ورنہ

انشاءاللہ دعوۃ حق رکنے والی نہیں، وہ غیب سے کسی نہ کسی آدمی کو اس کیلئے بھیج دے گا، اور اس نے ہمیشہ بھیجا ہے؛

البلاغ کے علاوہ بالکل علیحدہ ایک معتدل مسلک کا روزانہ اخبار اقدام بھی جاری ہوا ہے، وہ

بھی آپ کے ماتحت ہو جائے گا، اور ایک بڑا اشاعت اپنے ماتحت آپ پائیں گے،

امید ہے کہ دار المصنفین وغیرہ اس میں مانع نہوں گے، کیونکہ اس کو تو ہر حال میں قائم رکھ سکتے ہیں؛

فقیر ابو الکلام کان اللہ لہ

(۹)

رانچی (بہار)

صدیقی العزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انقلاب الامم کے لئے شکریہ، ایسی ہی علمی اور گران مبحث کتابوں کا سلسلہ جاری رہا تو آپ کا مجمع وہ

کام کرے گا، جو انجمن سازوں سے آج تک نہ ہوسکا،

انقلاب الامم کو جونہی کھولا، تو دیباچہ کے صفحہ ۲ پر نظر پڑی، اور ایک سخت غلطی نظر آئی، مولوی عبد السلام

صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے:- "والناس بما لدیھم فرحون" اور پھر اس سے ایک خاص استدلال

کرتے ہیں، اور کتاب کے بیان کردہ اصول سے قرآن کو تطبیق دیتے ہیں، میں حافظ نہیں ہوں، لیکن جہانتک

حافظہ کام دیتا ہے، قرآن اس جملہ سے بری ہے، مولوی صاحب کے حافظہ نے دھوکا دیا، اصل آیت یوں ہے "و

کل حزب بما لدیھم فرحون" یہ دو جگہ ہے، سورہ مومنون اور سورہ روم میں "والناس بما

لدیھم فرحون" کہیں بھی نہیں ہے، بہتر تھا کہ وہ تحریر کے وقت قرآن کی طرف رجوع کرتے تعجب ہے

کہ آپ نے بھی اس غلطی کو محسوس نہیں کیا،

پھر ان کا استدلال بھی صحیح نہیں، بحث یہ ہے کہ ہر قوم کے اخلاق و امیال اور رجحان دماغی کا ایک خاص مزاج

ہوتا ہے، اور اس کی تمام حیاۃ اجتماعیہ اسی کے مطابق ہوتی ہے، لیبان وغیرہ اس کو اقوام کی فطرۃ اجتماعی سے تعبیر

کرتے ہیں، لیکن اس اصول کو اصل آیہ کریمہ سے کوئی تعلق نہیں، نفیاً و اثباتاً، کیونکہ اس میں تو انسان کو اس کی

ضلالۃ اختلاف و تعدد و فرق و تشتت و تحزب پر ملامت کی گئی ہے، جس کو جابجا قرآن بغیاً بینہم سے تعبیر کرتا ہے؛

اور مقصود قرآنی یہ ہے کہ اللہ کی شریعت نے لوگوں کو ایک ہی راہ سعادت کی طرف بلایا، اور وحدۃ و تالیف

جمعیہ کی دعوۃ دی، لیکن باین ہمہ وہ ایک ہو کر پھر متفرق و متشتت ہو گئے، اور اس طرح ہدایت کے بعد ضلالۃ

اختیار کی، پھر کہاں اقوام کی فطرۃ اجتماعی اور اس کے خصائص و امتیازات کی بحث جس کا وجود ناگزیر، اور اس لئے

موجب تحسین ہے اور کہاں مخاطبین شرائع کی ضلالت تشتت و تفرق جس پر قرآن ماتم کرتا ہے ؟

سورۂ مومنون میں اس آیت کا سباق و سیاق یہ ہے:-

"ولقد آتینا موسی الکتاب لعلھم یھتدون وجعلنا ابن مریم وامہ

آیۃ وآویناھما الی ربوۃ ذات قرار ومعین یاایھا الرسل کلوا من الطیبات

واعملوا صالحاً انی بما تعملون علیم، وان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ و

انا ربکم فاتقون فتقطعوا امرھم بینھم زبراً کل حزب بما لدیھم فرحون

فذرھم فی غمرتھم حتی حین" الخ

سورۂ روم میں یوں ہے:-

"واتقوہ واقیموا الصلوۃ ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا

دینھم وکانوا شیعاً کل حزب بما لدیھم فرحون" الخ

آپ ان دونوں موقعوں کو دیکھتے ہیں کہ ان میں بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ اقوام گذشتہ کو ہدایۃ الی صراط مستقیم کے

بعد اتباع سبل متعددہ و تفرق و تشتت پر مائل ہوا بیان کیا گیا ہے، اور بتلایا ہے کہ اصل دین و تعلیم الٰہی وحدۃ و تالیف تھی، مگر انسانون نے اپنی ضلالۃ کی وجہ سے، او تعدد اختیار کی، کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ میں ان کی کسی فطری حالت کی خبر نہین دی گئی ہی، بلکہ سیاق و سباق و نظم بیان تبلا رہا ہے کہ اُن کے متفرق ہو جانے اور ہر گروہ کے اپنے کو بر سر حق سمجھنے اور اس پر قانع و مسرور رہنے کو بہ لہجۂ مذمت بیان کیا ہی، اور یہ امر بالکل واضح ہی،

معارف مین جو مضامین چھپتے ہین، ان مین بھی بعض اوقات ایسی غلطیان رہجاتی ہین، جن پر مخالفین اعتراض کر سکتے ہین، معلوم ہوتا ہے کہ آپ خود تمام مضامین کو نہین دیکھتے، پچھلے دنون مولوی عبد القادر پونا کا ایک مضمون ابو حمزہ اصفہانی صاحب تاریخ ملوک الارض پر چھپا تھا، اور کسی پارسی کے انگریزی مضمون کا ترجمہ تھا، اس مین جا بجا "سامانی" کی کتاب الانساب کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ کتاب الانساب سمعانی کی ہی، نہ کہ سامانی کی، انگریزی مین الف اور عین کا فرق مشکل ہے، اس لئے یا تو مضمون نگار نے یا مترجم نے سمعانی کو سامانی سمجھ لیا، لیکن آپ کو درست کر دینا تھا، بات بالکل واضح تھی،

امید ہے کہ آپ بخیریت ہون گے،

فقیر ابوالکلام کان اللہ لہ

۱۷ر- رمضان المبارک ۳۶ھ

(۱۰)

صدیقی العزیز الاجل السَّلَامُ عَلَیْکُمْ

معارف پہنچا، آپ کے پریس کے خوشنویس کا خط نسخ بھی بہت اچھا ہے، اور کیا چاہئے، البتہ کتابت کی غلطیان جا بجا رہ گئی ہین، بالخصوص عربی عبارتون مین، اور یہ نقص در اصل میرے خط کی خرابی کا ہے کہ کاتب پاسانی پڑھ نہین سکتا، ہمیشہ تجربہ ہو چکا ہے، آپ کے اور مولوی عبد السلام کے مضامین مین کتابت کی غلطیان بالکل نہین ہوتین،

اس لئے کہ مسودہ واضح و خوشخط ہوتا ہے،

البتہ ایک غلطی اہم ہی، اس کی تصحیح ناگزیر ہے، کاتب نے ص ۴۰۲ نمبر ۵ مین کئی سطرین درمیان سے چھوڑ دی ہین، چونکہ پورا حصہ منقول عبارت کا ہے، اس لئے بظاہر عبارت مین کوئی بے ربطی نظر نہین آتی، اسی نے مصحح کی نظر نہین پڑی، نمبر ۹ مین پہلے اشباہ والنظائر کی عبارت نقل کی تھی، پھر ہدایہ کی، اور ہدایہ کی عبارت کے ترجمہ کے بعد تکملہ فتح القدیر قاضی زادہ کی، لیکن کاتب نے اشباہ والنظائر کی عبارت کے بعد، اُس کے ترجمے اور ہدایہ کے حوالے اور پھر عبارت ہدایہ کا ابتدائی حصہ بالکل چھوڑ دیا ہے، اور عبارت ہدایہ کے ایک ٹکڑہ کو اشباہ والنظائر سے ملا کر نقل کر دیا ہے، اس لئے بعد کی جس قدر بحث متعلق ہدایہ تھی، وہ اشباہ سے متعلق ہو گئی، لوگ حیران ہونگے کہ ہدایہ کا نام بھی نہین آیا، اس کی عبارت کی شرح و اشکال کی کیا بحث ہے، اور قاضی زادہ نے اُس کی شرح کب لکھی؟ پس براہ عنایت اصل مسودہ کا وہ موقعہ ملاحظہ کرین، غالبًا اصل یون ہے کہ عبارۃ اشباہ کی "ولو کان المسجد الحرام" پر ختم ہو جاتی ہے، اس کے بعد اشباہ کے صفحہ و کتاب کا حوالہ ہوگا، اور غالبًا ترجمہ بھی، پھر کوئی اور حوالہ ہوگا، یا صرف یہ ہوگا کہ "ہدایہ مین ہے،

"ولا باس بان یدخل اہل الذمۃ المسجد الحرام وقال الشافعی یکرہ ذلک"

اس کے بعد تھا "(الی ان قال) ولنا ما روی الخ" کاتب نے درمیان کا تمام حصہ چھوڑ کر " (الی ان قال) ولنا الخ" کو عبارت اشباہ سے ملا کر نقل کر دیا، اور اس طرح بعد کا ترجمہ و بحث اشباہ سے متعلق ہو گیا،

بہر حال آیندہ نمبر معارف مین اسکی تصحیح کر دین، اور حوالہ صفحہ و سطر دیکر چھوٹی ہوئی عبارت نقل کر دین، اور اگر رسالہ کی شکل مین یہ فارم مزید چھپ چکے ہین تو کسی پرچہ پر الگ اتنا حصہ چھاپ کر نمبر ۹ والے صفحہ کے ساتھ رکھ دیا جائے،

یہ کون جناب "فاضل" وہی مولوی غلام محمد صاحب ہشیار پوری کی تشریحات کا مشتق تو نہین ہی، انکی تحقیقات یہ ہی کہ "فاضل" "فضول" سے مشتق ہے،

آپ ہمارے مولوی عبدالسلام صاحب کے حسنِ اخذ و ترتیب و تزئین مطالب کا سلیقہ دیکھتے ہیں؟ صرف بغدادی
کی ایک کتاب الفرق سے ایک اچھا خاصہ پورا مضمون لکھ لیا، چونکہ اس میں بعض تفصیلات نئی ملتی ہیں، اس لئے
ہمیشہ یہ خیال ہوتا تھا کہ اس پر ریویو لکھا جائے، لیکن مولوی عبدالسلام صاحب نے ایک مستقل مضمون طیار کر لیا،
سخت افسوس ہوتا ہے کہ با این ہمہ استعداد انھون نے اپنے آپ کو کیون گرا رکھا ہے،؟

مولوی عبدالباری صاحب کی بر کلے اور اس کا فلسفہ چھپ گئی ہو تو بھجوا دیجئے؛

ابوالکلام

(۱۱)

صدیقی العزیز :

آپ کا خط ینزل الغیث من بعد ما قنطوا کا مصداق تھا،

اذا کتب کم لو تردنی تشوقا

بعثت لکم کتبی بشوقی الیکموا

جب بہت عرصہ گذر گیا تو مولوی ابوالحسنات کو لکھا معلوم ہوا وطن میں ہیں، اور ھلا بکرا تلاعبھا
و تلاعبک کی تعمیل میں مشغول، اس مشغولیت میں مخل ہونا مناسب نہ سمجھا، اگر آپ کو قیامِ رانچی میں میری
کوتاہیان محسوس نہ ہوئیں، تو اس سے اُن کا عدم نہیں، بلکہ آپ کی محبت کا استغراق ثابت ہوتا ہے، اس
بات نے دل کی ندامت و اعتراف کو اور زیادہ کر دیا،

سیرۃ حضرت عمرؓ کا شکریہ، یہ بڑی کمی تھی جو پوری ہو گئی، یہ آپ بہت ہی خوب کر رہے ہین کہ
دار المصنفین کے سلسلہ میں مقدم و اہم کتابین شائع کرتے ہین، عنوانات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ
مولوی عبدالسلام صاحب نے اختصار بہت کیا، فقہ و اجتہاد و مراسیل عمر بن عبدالعزیز وغیرہ کے مباحث
نہایت اہم تھے، ائمہ اربعہ کی بعض عمارتین انھی کی بنیادون پر کھڑی ہوئی ہین، علی الخصوص امام شافعی

ان چیزون کو غالباً چھوڑ دیا ہے، ائمہ فقہ و حدیث نے اس کی فقہ کو بہت اہمیت دی ہے،

حقیقت کی نسبت آپ نے لکھا ہے لیکن لوگون کے مذاق کی شتر گی کا کیا علاج، وہی ہمدرد کا حال ہو گیا ہے،
حاجی بغلول اور تجاہلِ عامیانہ اور کیا کیا جاری ہے، یہ حالات دیکھکر طبیعت بالکل مکدر ہو جاتی ہے، اس اخبار کا شانِ
نزول کیا ہے؟ کیا الناظر نے نکالا ہے؟ آج کل آپ علم اسباب النزول کے مسلمہ ماہرین، خصوصاً لکھنؤ کی تنزیلات کیلئے،

ڈاکٹر اقبال کا شکوہ بیجا نہین، یہ نہایت ہی لغو اور سبک بات ہے کہ فلان نے فلان بات فلان کے اثر
سے لکھی، اور فلان کے خیال میں یون تبدیلی ہوئی، لیکن لوگون کا پیمانۂ نظر یہی باتین ہین تو کیا کیا جائے، دراصل اس کمبخت
تذکرہ کی ساری باتین میرے لئے تکلیف دہ ہوئین، مسٹر فضل دین نے یہ مقدمہ لکھکر نظر ثانی کے لئے بھیجا تھا، مین نے
واپس نہین بھیجا، اس لئے کہ وہ موجودہ حالت مین کتاب کو پہلا حصہ کر کے شائع کرنا چاہتے تھے، اور مین مصر تھا
کہ ایک ہی مرتبہ مین پوری کتاب شائع کر دی جائے، صرف اتنا ٹکڑہ حد درجہ ضمنی مطولات و عدم انضباط کی وجہ
سے نہایت بکروہ ہوگا، خیال کیا کہ مقدمہ کا واپس نہ کرنا اشاعت مین روک ہوگا، لیکن انھون نے بجنسہ
چھاپ کر جلد باندھ کر یکایک ایک نسخہ بھیج دیا، اور ان ساری باتون کو وہ مزاح سمجھتے رہے، علاوہ ڈاکٹر اقبال
وغیرہ والے ٹکڑے کے پورا مقدمہ طرزِ تحریر و استدلال وغیرہ کے لحاظ سے بھی بالکل لغو ہے، لطف یہ کہ اس مرتبہ
جب وہ جلسہ کے موقع پر آئے، اور مین نے پوچھا کہ اقبال کی نسبت آپ نے کیونکر تبدیلی معلوم کی، تو خود میرے
ہی ایک قول کا حوالہ دیا، جو کبھی کہا تھا، حالانکہ مین نے جو بات کہی تھی، وہ صرف یہ تھی کہ اقبال پہلے آج کل
کے عامۃ الناس کے تصوف مین مبتلا تھے، اب اُن کے خیالات اس طرف سے ہٹ گئے، اور دونون مثنویون
مین جو بات ظاہر کرنی چاہتے ہین وہ وہی ہے جو مین ہمیشہ لکھتا رہا ہون،

معارف کے لئے سیرۃ ابن تیمیہ کا ایک ٹکڑہ جو عقل و نقل کی نسبت ہے بھیجنا چاہتا ہون، مولوی یوسف
نقل کر رہے ہین، آپ نے کہا تھا، مذہب سلف و تفویض کی تائید صرف تخریب ہے، تعمیر نہین، آپ کی یہ بات میرے
لئے نہایت تعجب انگیز تھی، بہرحال یہ ٹکڑہ دیکھئے گا،

آج باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ جامع الشواہد کا خرچ طبع اب تک انجمن سے نہیں گیا، گو یہ معاملہ آپ کے متعلق نہیں، لیکن اس تاخیر کے لئے اپنا افسوس اور لاعلمی ظاہر کرتا ہون، اُن سے کہدیا ہے کہ فوراً بھیجدین،

ہان سید احمد بھوپالی تعلیم ہی کی غرض سے لکھنو چلے گئے ہین، اس مین طلب وشوق واقعی ہے، لیکن آپ کی اصلاح مین وہی اصلاح عالم کے فتنہ مین اسیر ہین، مین نے اُن سے کہدیا ہے کہ تعلیم کے سوا اور ساری باتون کو اپنے اوپر حرام قطعی کرلو، اور مولوی سید عبدالحئی صاحب کو لکھا کہ کوئی انتظام کردین، انھون نے بڑی مہربانی کی، اور خارج از مدرسہ تعلیم کا انتظام کردیا،

الردعلی المنطق کا جو مکمل نسخہ حیدرآباد مین مولانا حمیدالدین کو ملا تھا، اسی کا ٹھیک پتہ بتلادیجئے، کیا کتب خانہ آصفیہ مین ہے؟ امید ہے کہ مولانا موصوف سے دریافت کرکے مطلع فرمائین گے، آپ امرتسر نہیں گئے؟ والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ابوالکلام رانچی ۲ر جنوری ۲۰ء

(۱۲)

رانچی

صدیقی العزیز الاجل السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :-

والانامہ پہنچا، آپ لکھتے ہین کہ مجھے علم نہ تھا کہ سلسلۂ مراسلہ جاری رہ سکتا ہے، آپ ایسے باخبر کی یہ مایوسی تعجب انگیز ہے، مجھ سے پہلے اور لوگ نظر بند ہوچکے ہین، اور اُن کی نسبت آپ کو ضرور معلوم ہے کہ زیر احتساب خط وکتابت کرسکتے ہین، اور کیون جناب اگر واقعی ایسی حالت ہوجائے کہ سلسلۂ مراسلہ کا اجراء ممنوع ہو تو جب آپ قطعاً مجھے خط نہ لکھین گے، جیسا کہ بخیال سد باب مراسلہ آپ نے اب تک نہین لکھا؟

یہ آخری بات محض مزاحاً لکھی ہے،

اصل یہ ہے کہ مین خود ہی اس بارے مین احتیاط کرتا ہون، زمانے کی حالت دوسری ہی، لوگ اپنے

سایہ سے بھڑکتے ہین، اور ایمان کے لئے اگرچہ یقین واثبات کے طالب ہین، مگر ڈرنے کے لئے وہم وخیال کو کافی سمجھتے ہین، ایسی حالت مین بیکار کسی ایسے شخص کو خط لکھنا جس نے خود نہ لکھا ہو، اس پر ناقابل تحمل بوجھ ڈالنا ہے، نظر بندی کے بعد مین نے خود اپنی طرف سے پیش قدمی چھوڑ دی ہے، جو لکھتا ہے، جواب دیتا ہون، جو خاموش ہے، اس کو بولنے پر مجبور نہین کرتا،

آپکو بھی مینے کوئی خط نہین لکھا، معارف کے ایک پرچہ کی ضرورت ہوئی، تو دفتر کے نام کاروباری قسم کا خط لکھدیا، اب جب کہ آپ نے کتابین بھیجین، اور ایک فروگذاشت نظر آئی، تو ضروری معلوم ہوا کہ کتاب کی اشاعت سے پہلے عرض کردون،

یہ آپ نے خوب کیا کہ چیٹ چھپوا کر تصحیح کردی، لیکن اصل استدلال کی تصحیح کا اب کوئی علاج نہین، اور وہ کسی طرح صحیح نہین قرار دیا جاسکتا، قرآن سے اس طرح کا استنباط کرنا قطعاً تحریف معنوی مین داخل ہے، کجا آیت کا سیاق وسباق ومضمون اور کجا البیان کا اصول، اصل سوال یہ ہے کہ اس آیت مین بیان واقعہ وخبر محض ہے، یا اس پر ملامت کی گئی ہے، کُلُّ حِزْبٍ الخ نصف ٹکڑا ہے، فتقطعوا امرهم بينهم زبرا کا، اور اس مین اس ضلالۂ اختلاف وتفرق پر ملامت کی ہے، جو خدا کی مرضی کے خلاف ہے، اور جس کو دور کرنے کے لئے انبیاء کرام آتے ہین، پھر کیا انبیاء اس لئے آتے ہین کہ اقوام کی فطرۃ کو مٹائین؟ یہاں یہ اختلاف مزاج ورجحان وامیال وغیرہ نہین ہے، بلکہ الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا لست منهم في شيء الخ

اب مین نے پورے مقدمہ کو دیکھا، افسوس کہ صرف یہی استدلال نہیں، بلکہ قرآن وحدیث سے لیبان کے اجتماعی اصولون کے استنباط وتطبیق کی جتنی کوشش کی ہے، سب محل نظر ہے، اور قریب قریب زبردستی کی تاویل، اگر وہ چاہتے تو اس سے زیادہ موثر ومدلل لکھ سکتے تھے، یا تو ان مباحث کو علمی نظر سے لکھکر چھوڑ دینا چاہئے، یا لکھنا چاہئے تو اس طرح کہ قرآن ان مباحث کے مقابلہ مین آکر پھیکا، اور بے اثر نہ نظر آئے، انگریزی خوانون پر اس کا الٹا اثر پڑتا ہے، اور وہ سمجھتے ہین کہ اگر اتنا ہی ہے، تو کچھ بھی نہین، مولوی عبدالسلام صاحب نے اصل

کتاب کا ترجمہ اتنا پرزور، موثر، بلیغ اور دلچسپ کیا ہے کہ اس سے بہتر نہین ہوسکتا، یہ کافی تھا، اور مقدمہ مین قرآن کو لیبان سے ٹکرانے کی ضرورت نہ تھی، ہان ابن خلدون وغیرہ بہت مناسب اور بہتر تھا، بہرحال خوشی اس کی ہے کہ ایک عمدہ اور علمی کتاب اردو مین شائع ہوگئی،

سی احمد فتحی زغلول نے ایک اور کتاب کا ترجمہ کیا ہے، مس تقدم الانکلیز السکسونیین کتاب اس درجہ علمی نہین، لیکن تربیت و تعلیم و ارتقاء امم کے مسئلہ پر بہت ہی مفید اور ضروری ہے، اگر اس کا ترجمہ بھی آپ شائع کردین تو بہت بہتر ہے، اگر آپ کے پاس نہو تو مین بھیج دون،

(۱۳)

صدیقی الاعز : السلام علیکم

آپ کا خیال درست ہے آج بھوپال سے مولوی سلطان نے آپ کا خط بھیجا، اور آپ کا کارڈ بھی ملا، تعجیل اشاعت کے لئے ممنون ہون، علی الخصوص ایسی حالت مین کہ معارف کی اشاعت کی تاخیر تک گوارا کرلی گئی، امید ہے کہ نمبرون کی جگہ فصل بنادیا گیا ہوگا، واقعی مشکل رسالہ کوئی دوسرا نام ہونا چاہئے، آپ ہی کوئی تجویز کرکے رکھدین، آپنے جو نام لکھا ہے، اس کا سجع ثانی بہت خوب ہے، یہی ہونا چاہئے، مگر ردّ الجاحدین مانعین و مخالفین پر چوٹ پائی جاتی ہے، اور نسبت جحود، ایسے رسالہ حدود مناظرہ و جدل مین داخل ہوجائے گا، اور یہ مقصود نہین، پس اس کو کسی دوسرے قافیہ سے بدل دیجئے، مثلاً الشاہد یا الشواہد یا الفوائد یا جامع الشواہد، آخری نام بہت پامال ہوچکا ہے، حتی کہ جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد تک موجود ہے، یہ خوب ہوگا کہ وہان اخراج وہابیین تک کی کوشش اور یہان دخول مشرکین تک کی توسیع فنحن بواد و العذل بواد،

بہرحال کوئی اور قافیہ تجویز کرین اور وہی لوح پر درج ہو،

پہلے خیال تھا کہ نماز جنازہ غائب والے حصہ کو بھیج دون گا کہ رسالہ کے آخر مین درج کردیا جائے لیکن

جب، … تک صفحات پہنچ چکے، تو اب مزید اضافہ خوب نہین، اس کے اختتام کے بعد معارف مین نکل جائیگا، اجرت طباعت وغیرہ کے متعلق آپ نے کچھ نہین لکھا، یقیناً آپ کا میرا معاملہ اب اس حد سے گذر چکا ہے کہ اجرت و مخارج کے معاملہ کی نسبت کوئی تردد ہو، اور اس بارے مین یقین کامل رکھتا ہون، مگر یہ ظاہر ہے کہ رسالہ چھپے گا، اور پریس کا وقت و مال خرچ ہوگا، پریس آپ کی ذاتی ملکیت نہین، بلکہ دار المصنفین کا ہے، اس روپیہ کی ضرورت ناگزیر ہے، ازراہ عنایت مقدار لکھدین تاکہ مرسل خدمت ہو،

معارف کا پچھلا نمبر سلطان صاحب کے پاس دیکھا تھا، میرے پاس نہین آیا،

"ابوالکلام"

(۱۴)

دہلی ۲۸ جنوری ۱۹۳۲ء

صدیقی العزیز چند دنون کے لئے کلکتہ چلا گیا تھا، وہان سے واپس آیا، تو لکھنؤ جانا پڑا، اب مہلت ملی، تو سب سے پہلے آپ کے خط پر نظر پڑی، سحری کا وقت ہے، چائے کا دور چل رہا ہے، اور آپ کو خط لکھ رہا ہون، آپ بھولے نہ ہون گے کہ رمضان مین یہی دور میرے لئے جام صبوحی کا بھی کام دیتا ہے، اور سفرۂ افطار کا بھی

خجلت نگر کہ در حسناتم نیافتند
جز روزۂ درست بہ صہبا کشودہ

آپ نے جس بات کی شکایت کی ہے، یقین کیجئے، مین خود اسے بطور واقعہ کے محسوس کررہا ہون، مین نے ادھر ارادہ کرلیا تھا کہ اب تمام کامون سے الگ ہوکر محض تصنیف و تالیف کے لئے وقف ہوجاؤنگا، اور اگر موجودہ صورت حال اس طرح نہ پیش آگئی ہوتی جس طرح پیش آئی ہے، تو مین قطعاً یکسوئی کرلیتا، لیکن کیا کیا جائے رفتار زمانہ ہماری خواہشون کی پابند نہین ہے،

تجری الریاح بما لا تشتھی السفن!

آپ نے ترجمان القرآن جلد دوم کی اشاعت کے لئے جو آمادگی ظاہر کی ہے، یقین کیجئے، اس سے میرا دل نہایت درجہ متاثر ہوا، یہ محبت و اخلاص کا بڑا سے بڑا ثبوت ہے، جس کا میں آپ سے متوقع ہو سکتا تھا، فعلاً یہ بات ظہور میں آسکے، یا نہ آسکے لیکن میرے دل پر آپ کی محبت کا نقش ثبت ہو گیا،

مجھے نہیں معلوم معارف پریس کا اب کیا حال ہے؟ کیا آپ بہ آسانی ایسی کتابیں چھپوا سکتے ہیں، جو زیادہ مقدار میں چھپیں؟ اگر آپ نے انجن لگا لیا ہے، تو آپ بڑی سے بڑی تعداد چھاپ سکتے ہیں، جی چاہتا تھا آپ سے ملاقات ہو، دیکھئے اب کب ہوتی ہے،

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

"ابوالکلام" دہلی ۲۰ جنوری ۱۹۳۲ء

سہیل نمبر

اعظم گڈھ کے مشہور وکیل اور نامور شاعر مولوی اقبال احمد خان صاحب سہیل کا کلام صاحب ذوق طبقہ میں تعارف سے مستغنی ہے، خصوصاً نعت و منقبت کے قصائد اور مذہبی و ملی نظموں میں ان کا کوئی حریف نہیں، اور ان کا فارسی کلام ایران کے اساتذۂ قدیم کے کلام سے ٹکر کھاتا ہے، یہ خوشی کا مقام ہے کہ محمد حسین انٹر کالج جونپور نے اپنے میگزین کا ایک خاص نمبر سہیل نمبر کے نام سے نکالا ہے، جس میں سہیل صاحب کا تقریباً پورا اردو اور فارسی کلام مرتب طریقہ سے جمع کر دیا گیا ہے، اور اس کے شروع میں متعدد اصحاب علم و قلم کے تعارف اور تبصرے وغیرہ ہیں، کالج نے یہ نمبر نکال کر ایک بڑی ادبی خدمت انجام دی ہے، اس کی ضخامت ۲۱۶ صفحے، اور قیمت چار روپے ہے، محمد حسین انٹر کالج جونپور اور دار المصنفین سے ملیگا،

"منیجر"

ادبیات

"نظر غلط انداز"

از جناب چودھری وزیر حسن صاحب نشتر سندیلوی

جاننا چاہتی ہے عشق کا راز — عقل میں ہیں جنون کے انداز

ہے حقیقت جو دل پہ نقش طراز — اٹھتے جاتے ہیں پردہ ہائے مجاز

میں نہیں در خورِ نگاہِ ناز؟ — نہ سہی، اک نظر غلط انداز!

زندگی ہے تمام سوز و گداز — اے غمِ عشق تیری عمر دراز

زاہدِ خشک! دیکھ دل کا گداز — ہے محبت کا سوز، روحِ نماز

کر ذرا اپنی رفعتوں پہ نظر — آسمان تک ہو خاک کی پرواز

کون ہے کس کے حال سے آگاہ؟ — دل کا شیشہ، شکستِ بے آواز

گھٹتی جاتی ہو بازوؤں کی سکت — بڑھتی جاتی ہے طاقتِ پرواز

اپنی نظروں میں ہیں خود حجاب اپنا — ورنہ ہر ذرہ تیرا محرم راز

تھک نہ جائے اگر نگاہ تو دیکھ — ہے حقیقت پہ ختم بام مجاز

کہیں چھپتے ہیں اُن کے دیوانے؟ — ایک سی بات، ایک سا انداز

کھول آنکھ اے دعائے نیم شبی! — آسمان پر در قبول ہے باز

سنگِ راہِ حیات ہیں نشتر! — جادۂ وقت کے نشیب و فراز

حشرِ جذبات

از ثاقب کانپوری

شکوۂ گردشِ ایام بھی کرلین کچھ دیر | دل کو حسرت کشِ آرام بھی کرلین کچھ دیر
تذکرہ کرکے جفاؤن کا سرِ بزم کبھی | روح کو سرخوشِ آلام بھی کرلین کچھ دیر
اضطراب الم انگیز جو دے فرصتِ غم | چرخ کے سایہ مین آرام بھی کرلین کچھ دیر
دن تو گزرا غم و آلام و تعب مین یکسر | حاصل آسودگیِ شام بھی کرلین کچھ دیر
بزمِ احباب مین مخصوص ہو کیون شہرتِ عشق | اپنی رسوائیِ غم عام بھی کرلین کچھ دیر
عقل کی ہرزہ سرائی نے تو برباد کیا | اتباعِ دلِ ناکام بھی کرلین کچھ دیر
چاکِ دامن کو ذرا بیٹھ کے سی لین ثاقب | آؤ فرصت ہو تو یہ کام بھی کرلین کچھ دیر

غزل

از جناب احمد وقار صاحب واثقی

اب اُس مقام پر الفت مین آگیا ہون مین | کہ اپنے آپ کو ہر سمت دیکھتا ہون مین
نہ پوچھے اُن سے کوئی کیا ہے وجہ پامالی | یہی قصور ہے ہر راز جانتا ہون مین
یقیناً آپ تسلی ہی دینے آئے ہین | سکون نواز نگاہون کو جانتا ہون مین
ضرور تا کبھی بیہوش ہونا پڑتا ہے | تکلفاتِ تجلی سے آشنا ہون مین
نہ پوچھ کشمکشِ انتخاب کا باعث | وہ چاہتے نہین اور راز آشنا ہون مین
جہان مین ایک بھی شایستۂ نیاز نہین | ہوس کے ساز پہ ہر نغمہ سُن رہا ہون مین

نشاطِ فکر مرے ذوقِ شعر کو نہ سمجھ
وقار نغمہ فروا سنا رہا ہون مین

مطبوعاتِ جدیدہ

اثباتِ دین انسانی یعنی کمیونزم اور اسلام — مصنفہ جناب صوفی نذیر احمد صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت ۸/، پتہ:۔ مکتبہ علمیہ عثمانیہ بازار حیدرآباد دکن

دنیا کی سیاسی و اقتصادی کشمکش نے آج تمام ترقی یافتہ قومون کو ایک دوسرے کا حریف اور کرۂ زمین کو رزمگاہ بنادیا ہے، اور مختلف قومون اور ملکون کے اغراض کے تصادم نے عالم انسانیت کو امن و سکون سے محروم کردیا، اُن کا تنہا سبب یہ ہے کہ اقوام عالم کا نقطۂ نظر تمام تر مادی بن گیا ہے، جس کو دین و اخلاق سے کوئی تعلق نہین ہے، اور انسانیت کے سارے اخلاقی و روحانی رشتے منقطع ہوچکے ہین جس کا لازمی نتیجہ خودغرضی، دوسرون کے حقوق کی پامالی، رشک و رقابت اور جنگ و خونریزی ہے، اس لئے جب تک یہ نقطۂ نظر نہین بدلتا، اور دنیا کی قومین کم از کم مختلف مذاہب کی مشترکہ صداقتون، اور اخلاقی و روحانی اصولون پر متفق نہین ہوتین، اور ان مین انسانی اخوت کا رشتہ قائم نہیں ہوتا اس وقت تک دنیا کو تباہی و بربادی سے نجات نہین مل سکتی، فاضل مصنف نے مذکورۂ بالا کتاب مین اسی نقطۂ نظر سے ایک ایسی عالمگیر روحانی دعوت اور اخلاقی نظام پیش کیا ہے، جس کے اصولون سے کسی مذہب کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا، اس سلسلہ مین دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب، عیسائیت، بدھ مت، اور ہندوازم کی تاریخی سرگذشت اور ان کے خلاف کے اسباب بیان کرکے موجودہ ضروریات و مسائل کے لحاظ سے اُن کے نقائص واضح کئے ہین، اور دکھایا ہے کہ ان مذاہب کا نقطۂ نظر بہت تنگ و محدود ہے، اور اُن کی تعلیمات انسانیت کی صحیح نشو و نما اور اس کی متوازن مادی و روحانی ترقی کے لئے بالکل ناکافی ہین، اس لئے ان مین سے کوئی مذہب بھی انسانی فلاح و سعادت مین کامیاب نہ ہوسکا اور موجودہ دور کے مسائل مین وہ رہنمائی سے بالکل قاصر ہین، اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس دور کا مذہب باتفاق

یعنی کمیونزم تو سراسر اخلاق و انسانیت کی ضد ہے، اور وہ انسانوں کی مادی مشکلات کو بھی اب تک نہیں حل کر سکا ہے، اور نہ آیندہ کر سکتا ہے، اور موجودہ زمانہ کے بگڑے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کی خرابیاں بھی دلشگان بیان کی ہیں، اور حقیقی اسلام کی ان عالمگیر اخلاقی و روحانی تعلیمات کو جو بڑی حد تک تمام مذاہب میں مشترک ہیں، پیش کر کے ہندوستان اور پاکستان خصوصاً ہندوستان کے ہندوؤں کو دعوت دی ہے کہ اس کو قبول کر کے اپنی تازہ دم قوت سے انکو سارے ایشیا میں پھیلا کر ساری دنیا کے لئے اخلاق و روحانیت کے رہنما اور امن کے داعی بنیں، یہ کتاب کا بہت اجمالی اور سرسری خاکہ ہے، اس کے مباحث کے تنوع کا اندازہ اصل کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، مصنف ایک وسیع النظر فاضل اور صاحب دل صوفی ہیں، نئے مسائل اور جدید افکار و تصورات سے بھی ان کو پوری واقفیت ہے، اور اس پر انھوں نے غور و فکر بھی کیا ہے، اس لئے اس کتاب اور ان کی دوسری تصانیف اور مضامین میں بھی بہت سے قابل غور حقائق ملتے ہیں، اور ان کا مقصد بھی بہت محمود اور بلند ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس مادی دور میں اتنی عظیم الشان اور عالمگیر انقلابی دعوت کو کامیاب بنانے کا ذریعہ کیا ہے، موجودہ دنیا کسی اصلاحی دعوت کو اس وقت تک قبول نہیں کر سکتی، جب تک مادی حیثیت سے وہ اس کے ماننے پر مجبور نہ ہو جائے جس کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہے، اس لئے خیالات اور نظریات کی حد تک یہ کتاب بہت قابلِ قدر ہے، مگر ان کو عمل میں لانا دشوار ہے، بہرحال مصنف نے تبلیغ حق کی حد تک اپنا فرض پورا کر دیا،

فارابی مترجمہ جناب انیس احمد صاحب جعفری تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰، صفحات کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲؍ پتہ ۱۴۳ بہار کالونی، کلیٹن روڈ کراچی نمبر ۵

مصر میں اعلام الاسلام کے نام سے مختلف طبقوں کے مشاہیر اسلام کے حالات اور کارناموں پر مختصر تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا ہے، مذکورہ بالا کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے، اس کے مصنف مصر کے ایک اہل قلم عباس محمود ہیں، اس میں نامور مسلمان فلسفی معلم ثانی ابو نصر فارابی کے حالات، اس کے علمی اور فلسفیانہ کارناموں کا مختصر تذکرہ ہے، کتاب کے شروع میں پس منظر کے طور پر عربوں کی ابتدائی ذہنی و فکری تاریخ پر یعنی جب ان میں

متکلمانہ و فلسفیانہ افکار و تصورات اور اس کے مختلف اسکول پیدا ہوئے مختصر تبصرہ ہے، اس کے بعد فارابی کے سوانح، اس کے علمی کارنامون، اس کے بعض فلسفیانہ عقائد و خیالات کا اجمالی ذکر اور مختلف فنون حکمت میں اس کی تصانیف کے نام اور ان کی فہرست ہے، مترجم نے زیادہ دقیق مباحث کو اس خیال سے قلم انداز کر دیا ہے کہ وہ عام اردو خوانوں کی سمجھ سے باہر تھے، یورپ کے بعض متعصب علمار نے یہ شہرت دے رکھی ہے کہ مسلمان فلاسفہ محض یونانیوں کے اندھے نقال اور ارسطو کی گاڑی کے قلی تھے، انھوں نے خود فلسفہ میں کوئی نئی بات نہیں پیدا کی، اس کتاب میں دلائل کے ساتھ اس کی تردید کی گئی ہے، اس لحاظ سے یہ کتاب گو مختصر ہے لیکن نہایت محققانہ ہے، اور اس سے فارابی کے متعلق جملہ ضروری باتیں معلوم ہو جاتی ہیں، اس کتاب کے ترجمہ سے اردو میں ایک اچھی کتاب کا اضافہ ہوا، مترجم کا نام ترجمہ کی خوبی کے لئے خود ضمانت ہے۔

پیامِ نجات جناب حبیب حسن صاحب صدیقی تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۰ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۸؍ مرتبہ:- سجاد حسین محبوب حسین قصبہ وڈاکخانہ رودولی ضلع بارہ بنکی،

دنیا میں بے شمار پیغمبر مبعوث ہوئے، لیکن ان میں سے اکثر کے حالات افسانوں کے پردہ میں گم ہیں، بہتوں کا زمانہ تک معلوم نہیں ہے، یہی حال اُن کی تعلیمات کا ہے، اُن کے پیروؤں نے اس میں اس قدر تصرفات کر دیئے ہیں، کہ آج اصل اور اضافہ میں امتیاز کرنا مشکل ہے، اور جس قدر معلوم ہیں، ان میں بھی چند موٹی موٹی اخلاقی تعلیمات کے علاوہ ان سے انسانی زندگی میں کوئی رہنمائی حاصل نہیں ہوتی، اور یہ امتیاز صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی لائی ہوئی کتاب کو حاصل ہے، کہ آپ کی پوری زندگی کا ایک ایک واقعہ اور قرآن کا ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ تاریخی تواتر کے ساتھ محفوظ ہے، اس کتاب میں اسی نقطۂ نظر سے آپ کی تاریخی حیثیت پر بحث کی گئی ہے، اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارہ میں آپ کے اُسوۂ حسنہ کو پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد اہل بیت کرام کے فضائل نقل کئے گئے ہیں، اور آخر میں اسلام کے بنیادی عقائد و اسلام کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے، اہل بیت کے فضائل مسلّم ہیں، لیکن اس کی بھی ایک خاص حد ہے، مصنف نے جو فضائل نقل کئے ہیں، ان میں سے بیشتر محض

نو ہیں، غرر الحکم و درر الکلم خود جس سے یہ فضائل نقل کئے گئے ہین، رطب و یابس کا مجموعہ ہے، فضائل وہی صحیح ہین
جو صحیح حدیثون سے ثابت ہین، اور اس کی صحت کا اندازہ ہر شخص ذوقِ سلیم سے کرسکتا ہے، باقی سب خرافات ہین،
اس پہلو سے قطع نظر یہ کتاب مفید ہے۔

عطرِ حیات جناب حکیم میر زین العابدین صاحب ندوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۸ صفحات، کاغذ،
کتابت و طباعت بہت معمولی، قیمت ۸؍ پتہ ہمدرد بک ڈپو نیو مارکٹ بنگلور سٹی،

مصنف مغربی ہند کے باشندے اور ندوہ کے ابتدائی دور کے تعلیم یافتہ ہین، طب کی تعلیم طبیہ کالج دہلی
مین پائی ہے، ان کو طالب علمی ہی کے زمانہ سے سیاحت کا شوق اور قومی و ملی کامون سے دلچسپی رہی ہے، چنانچہ اسی
زمانہ مین انھون نے تقریباً پورے ہندوستان کی سیاحت کی اور مختلف قومی کامون مین حصہ لیتے رہے جس کا
سلسلہ وطن مین بھی جاری رہا اور انھون نے بہت سے مفید قومی کام انجام دیئے، اس کتاب مین انھون نے طالب
علمی کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک کے حالات تحریر کئے ہین، اس سلسلہ مین اُن کی سیاحت اور قومی کامون کے حالات بھی
آگئے ہین، کتاب مفید اور دلچسپ ہے، اور اس سے آج سے تیس چالیس سال پہلے کے بہت سے تاریخی واقعات سامنے آجاتے ہین،

قصص النبیین (حصہ اول و دوم) مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تقطیع بڑی، ضخامت علی الترتیب
۷۲ و ۵۵ صفحات مجلد ۸؍ ۸؍ پتہ :- ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملیگی،

عربی تعلیم کے لئے جدید طرز کی جو ریڈرین لکھی گئی ہین، وہ عموماً بے مقصد قصہ کہانیون پر مشتمل ہین، اسلئے
فاضل مؤلف نے بچون کی عربی تعلیم کے ساتھ اُن کی دینی تربیت، مذہبی معلومات اور قرآن مجید سے اُن کو مانوس کرنے
کے لئے قرآن کے قصص الانبیاء سے یہ ریڈرین مرتب کی ہین، دوسرے حصہ مین بیشتر آیات قرآنی ہی کے ٹکڑے ہین قصہ کو مربوط
کرنے کے لئے کہین کہین مصنف کے قلم کی عبارتین بھی ہین، مگر ان کو عربی زبان پر اہل زبان جیسی قدرت حاصل ہے، اس لئے
یہ ریڈرین مذہبی، تعلیمی اور ادبی مختلف حیثیتون سے اس قابل ہین کہ اُن کو عربی تعلیم کے ابتدائی نصاب مین شامل کیا جائے،

"م"

جلد ۷۲ ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۵۳ء عدد ۶

مضامین